جولائی ۲۰۱۷ء

ایک علمی تحریک کا دینی، علمی، فکری، ادبی اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

ندائے اعتدال

علی گڑھ

ایڈیٹر: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

₹ 25/-

فہرست مضامین

۱۔	قرآن کا پیغام	احساس ذمہ داری	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	
۲۔	اداریہ	فکری زاویے:	مدیر	
		ایک احساس ایک گذارش		۳
		نیا جال پرانا شکاری		۳
۳۔	خاص تحریر	بہار عرب-ایک عمر گذری حسرت فصل بہار میں	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۱۱
۴۔	اصلاح معاشرہ	معاشرے کی تعمیر و ترقی اور خدمت خلق	حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۱۵
۵۔	تعلیم و تربیت	تربیت اولاد-چند اہم گوشے	ڈاکٹر محمد طارق اایوبی ندوی	۲۲
۶۔	حقیقت دل	دل سا دوست نہ دل سا دشمن	مجیب الرحمٰن عتیق ندوی	۲۸
۷۔	نقد و نظر	خاندان کے تصور کا خاتمہ اور مغرب کی حالت زار	کمال اختر قاسمی	۳۷
۸۔	پیغام	ایک مرد حق آگاہ کا پیغام، علماء ہند کے نام	ڈاکٹر صلاح سلطان	۴۱
۹۔	احکام و مسائل	صوتی آلودگی سے متعلق چند شرعی احکام	قمر الزماں ندوی	۴۹
۱۰۔	فکر اسلامی	مفکر اسلام-ایک مطالعہ (قسط-۱۶)	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۵۴
۱۱۔	زبان و تہذیب	مولوی سید احمد دہلوی	رشید حسن خاں/پیشکش: محمد شعیب ندوی	۴۷
۱۲۔	تعارف و تبصرہ	مولانا عبدالباری ندوی شخصیت اور دینی و علمی خدمات	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۶۰
		قرآن مجید عظیم الشان ولاثانی کتاب		۶۱
		الماس (شعری مجموعہ)		۶۱
۱۳۔	آخری صفحہ	ورنہ دنیا آپ کو اٹھا کر باہر پھینک دی گی	م-ق-ن	۶۴
۱۴۔	شعر و ادب	مولانا رئیس الشاکری کی ایک رباعی	ڈاکٹر محمد ایوبی ندوی	

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔عدالتی چارہ جوئی علی گڑھ کی ہی عدالت میں ہوسکتی ہے۔

اداریہ

فکری زاویے

ایک احساس ایک گذارش

خدا خدا کرکے آپ کے اس رسالے نے اپنی عمر کا ایک اور سال پورا کرلیا، ایسے چھوٹے سے بے سروپا ادارے سے اردو کے کسی مذہبی اور علمی رسالہ کا اس پابندی کے ساتھ ۹ سال سے مسلسل نکلتے رہنا کسی طرح بھی کسی کرامت سے کم نہیں، ہم اس پر اللہ رب العزت کا جس قدر شکرادا کریں وہ کم ہے، اسی طرح ہم اپنے ان محسنین وقارئین واہل قلم کے بھی شکرگزار ہیں، قدم قدم پر جن کا ہم کو تعاون حاصل رہتا ہے، یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ اس درمیان رسالے کو ISSN نمبر دے دیا گیا ہے، اگرچہ ہمارے نزدیک اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں مگر عہد حاضر کے تقاضوں میں سے یہ بھی ایک ضروری تقاضہ ہے۔

الحمدللہ ندائے اعتدال نے حق کو پیش کرنے میں اپنی شناخت قائم کی ہے، اس کے صفحات اغیار کی عداوت اور اپنوں کے فریب کے گواہ بنے ہیں، اب تو حالات اور بھی تیزی سے تبدیل ہورہے ہیں، دعا کیجئے کہ ہمارے یہ ادارے یہ دینی رسالے اور دینی تحریکیں زندہ رہیں اور اپنا کام کرتی رہیں، ہمارے یہ ادارے، ان کے ترجمان، ان سے شائع ہونے والا لٹریچر''قندیل رہبانی'' اور ''چراغ آخرشب'' صحیح، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ زندگی کی نوید ہیں، تشخص کی ضمانت ہیں، نئی صبح کے سورج میں ان کی کرنیں صاف نظر آئیں گی، ان کو سنبھالیے، ان کی فکر کیجئے، ان کا سہارا بنیے اور انہیں سنوارنے کا کام کیجئے۔

ہمارے رسالے کو، ہمارے اشاعتی کاموں کو اہل خیر کے تعاون کی سخت ضرورت ہے، ہمارے مذہبی کام اللہ کے بھروسے پر ہی انجام پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اسے کھڑا کردیتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں، ضرورت ہے کہ کچھ لوگ ہمارے اشاعتی شعبہ کی طرف توجہ فرمائیں، ندائے اعتدال کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں، علم وفکر کو جلا بخشنے والی، صحیح فکر اسلامی کی ترجمانی کرنے والی تحریروں کی اشاعت میں حصہ لے کر اپنے لیے صدقہ جاریہ کا انتظام کریں۔

اس وقت ہمارے مدرسہ میں صدقہ جاریہ کی ایک اور صورت پیدا ہوئی ہے، مدرسہ کی ابتدا جن کچے کمروں سے ہوئی تھی، انہیں ڈھا دیا گیا ہے، ان کی بوسیدگی وخستہ حالی اور جگہ کی بے پناہ قلت نے اس جگہ پر نئی تعمیر کا شدت سے احساس دلایا، انتظام تو کچھ نہیں مگر خدا کے بھروسے کام شروع کردیا گیا، سہ منزلہ عمارت کی تعمیر پر دو کروڑ سے زائد صرفہ کا تخمینہ ہے، ایک کمرے کی تعمیر پر ٦ لاکھ کا تخمینی صرفہ ہے، اہل خیر اگر قطرہ قطرہ سے سیراب کرنے کی ٹھان لیں تو سمندر کا وجود میں آنا کیا مشکل ہے، آپ دست تعاون دراز کیجئے خدا مہربان ومددگار ہوگا واللہ الموفق والمستعان۔

پرانا جال نیا شکاری:

دوشنبہ کی رات ۲۳؍مئی ۲۰۱۷ء ہماری قومی وملی تاریخ میں ایک ایسی داستان رقم کرگئی جو سوائے حسرت اور زخم پر نمک چھڑکنے کے اور کچھ نہیں، آج سے ٦٩ سال قبل اسی مہینہ میں ظلم وجور اور طاقت وفریب کے ساتھ اپنوں کی عیاری اور فریب کے بل پر

ناجائز اسرائیل کا جنم ہوا تھا، آج ٦٩ سال بعد تاریخ میں پہلی مرتبہ ریاض سے امریکی صدر کے جہاز نے تل ابیب کے لئے اڑان بھری تو فلسطینی مظلوم عوام کے ساتھ دنیا بھر کے مسلمان حواس باختہ رہ گئے، فلسطینی مظلوموں کی مظلومیت کا مذاق اڑانے میں جس طرح ریاض کی شرکت ہوئی، اس سے ہر مومن کی آنکھ ڈبڈبا گئی اور ہر صاحب حس کا دل بھر آیا، درحقیقت اس سفر کا پروگرام ٹرمپ کے مشیر خاص اور اس کے کٹر صہیونی داماد "جاروکشنر" نے بنایا تھا، ریاض سے تل ابیب کی اڑان اس "سربراہ کانفرنس" کے ذریعہ اسرائیل کو تحفظ فراہم کرنے اور امریکہ کے تسلط کو مضبوط کرنے کی واضح علامت ہے، اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب تل ابیب سے کوئی فلائٹ ریاض میں اترے گی اور پھر قصہ تمام ہوگا، دہشت گردی کے خاتمہ کا اعلان ہوگا اور کوئی نیا ہتکنڈا اور پروپیگنڈا شروع کیا جائے گا۔

اس سربراہ کانفرنس میں پچاس مسلم ممالک کے سربراہان کے اجتماع کی صدارت "حضرت ٹرمپ" نے فرمائی، ترکی بڑی خوبصورتی سے اس سے الگ رہا، دعوت حضوری وقدم بوسی اس کو بھی دی گئی مگر توجیہ یہ کی گئی کہ ہم ابھی دو روز قبل واشنگٹن میں ٹرمپ سے مل کر آئے ہیں اب مشغولیات کے پیش نظر شرکت ممکن نہیں، اچھا ہی ہوا کہ رسم "دست بوسی" میں شریک نہ ہوا، ترکی میں بھی امریکہ کا کھیل جاری ہے، ترک حکومت کی نظر میں "کرد" باغی ہیں، مگر جگ ظاہر ہے کہ امریکہ ان کرد باغیوں کی مکمل پشت پناہی کر رہا ہے۔ اس کانفرنس میں "حضرت صدر" کی تقریر سنیے اور اس پر سر دھنیے، شام اور شامیوں کی تباہی اور وہاں خوں ریزی کی بدترین صورت حال، عراق و افغانستان کی مکمل بربادی کے باوجود پوری ڈھٹائی کے ساتھ ان "مسلمانوں" کے سامنے ٹرمپ نے مسیحیوں اور یہودیوں کو مظلوم قرار دیا، اور اس طرح قرار دیا دیا گویا اس وقت پوری دنیا میں یہودی وعیسائی ہی مظلوم ہیں، آخر چوری اور سینہ زوری اسی کو تو کہتے ہیں، مگر ان کی رگِ غیرت کہاں پھڑک سکتی ہے، جن کے نزدیک کرسی کی حفاظت کی خاطر برطانیہ میں ہوئے دہشت گردانہ حملے کے بعد اظہار یکجہتی کی خاطر "برج خلیفہ" کو برطانوی پرچم سے ڈھانک دیا گیا، مگر کبھی ۱۹۴۸ء سے ظلم سہہ رہے فلسطینیوں سے اظہار یکجہتی کی توفیق نہ ہوئی، دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل کا قیام ہی ظالمانہ کارروائی کی علامت ہے، ۱۹۴۸ء سے وہ مسلسل ظلم کر رہے ہیں، اور عیسائیوں کے ظلم کی داستاں اسپین سے شروع ہوئی، جرمنی میں ظلم کی تاریخ رقم کی گئی، اور پھر دنیا کے قدرتی وسائل پر قبضے کے لیے مسلم ممالک کے خلاف جنگ کا بگل بجایا گیا، آج تک عراق میں تقریباً ۵۰ لاکھ انسان مارے جا چکے ہیں، افغانستان میں ۱۰ لاکھ لوگ تہہ تیغ کیے جا چکے ہیں، شام میں ۵ لاکھ قتل ہو چکے ہیں، شاید ٹرمپ نے یہ صدی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا ہے، اس پر کلیم عاجز کی زبان میں ان سے یہی کہا جا سکتا ہے۔

میرے ہی لہو پر گزر اوقات کرو ہو
مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرو ہو

پورے اتحاد کے ساتھ "اسلامی ارہاب" سے مقابلے کی بات کی، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ لوگ یہ سوال کرتے کہ آخر یہ اسلامی ارہاب کس بلا کا نام ہے، اس کو جنم دینے والے کون لوگ ہیں، کن ممالک میں یہ فروغ پاتا ہے، اس کے وجود میں آنے کے اسباب کیا ہیں۔

مگر اس پر تو سرکاری اور درباری علماء نے قصیدہ خوانی اور مدح سرائی کی، روٴساء مجالس مختلفہ کے بیانات سنیے اور ماتم کیجئے، اس سربراہ کانفرنس نے کئی سوال کھڑے کر دیے، سعودی شاہ کی تبدیلی کے بعد کئی طرح کی قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں، ان کے سینہ میں قرآن محفوظ ہونے کے حوالے دیے جا رہے تھے، شہزادہ ولی عہد محمد بن سلمان کی صلاحتیوں اور صلاح کا حوالہ سرفہرست تھا، **مگر سیاست نے کیسی کروٹ بدلی، مسلم ممالک کس قدر مجبور نظر آئے کہ ان کے سامنے مظلوموں کا مذاق اڑایا گیا، شہداء کے خون کو رائیگاں قرار دیا گیا،**

رقص وسرور کے نظارے ہوئے، وہ تلوار جس سے دنیا لرزہ براندام رہتی تھی اور جس کے سبب رعب مسلم کا نظارہ ہوتا تھا اب ناچنے اور تھرکنے کے کام کی رہ گئی، چشم زدن میں صورت حال بدل گئی، پھر اسی سیسی کو گلے لگایا گیا جو تعزیت کے لئے آیا تھا تو ملاقات نہیں کی گئی تھی، اس کی پشت تھپتھپائی گئی، محمد بن سلمان نے اخوانیوں کے لیے وہی زبان استعمال کی جو سابقہ حکومت کی زبان تھی، اسلامی ارہاب سے مقابلہ کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ تمام اسلامی تحریکات اور اسلام کو ایک زندہ نظام حیات کی حیثیت سے سمجھنے اور نافذ کرنے کا مطالبہ کرنے والی تمام شخصیات کو ختم کر دیا جائے، سیاسی اسلام کی بابت لکھنے اور بولنے والوں کو دہشت گرد قرار دیا جائے، یہ کام عرب ممالک سے کرایا جائے اور پھر امریکہ یہ نظیر پیش کرے کہ خود مسلمان ہی ان نظریات کو دہشت گردی کے فروغ کا سبب مانتے ہیں، اور پھر ایسے اسلام کو فروغ دیا جائے جس کے متبعین کے منہ میں زبان لبرل ہو، جن کی ذہنیت غلامانہ اور فکر فرنگی ہو، آخر اقبال نے بہت پہلے یہی تو کہا تھا۔

فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات

اسلام کو حجاز ویمن سے نکال دو

ٹرمپ کے استقبال اور اس موقع پر منعقد کی گئی مجالس پر دو سو ملین ریال سے زائد خرچ کیے گئے، اس کو اور اس کی بیٹی کو ملینوں ریال کے تحائف سے سرفراز کیا گیا، تین سو اسی بلین ڈالر کے معاہدے ہوئے، جس میں سے ایک سو پچاس بلین ڈالر کے صرف اسلحہ خریدنے کا معاہدہ ہوا، آخر سعودیہ ان ہتھیاروں کا کیا کرے گا، اور امریکہ یہ کیوں کر رہا ہے، یہ کانفرنس کیوں کی گئی، اس کے پس منظر میں محمد بن سلمان اور سیسی کے واشنگٹن دورہ کو کیا اہمیت حاصل ہے، ٹرمپ ریاض سے سیدھے اسرائیل کیوں گیا، یہ اور ان جیسے متعدد سوالات ہیں جن کا جواب مستقبل میں خود ہی مل جائے گا، یہاں تو صرف یہ عرض کرنے دیجئے کہ ہمارے کئی ممالک جس جھانسے میں آ کر تباہ ہو گئے اب بھی اس سے عبرت حاصل نہ کی گئی، **صہیونیت اور ایرانی انقلاب کے اثرات بلا شبہ اسلام اور اہل سنت کے لیے یکساں طور پر خطرناک اور مہلک ہیں، مگر ایران کے کردار کو پیش نظر رکھتے ہوئے امریکہ کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنا، اور صہیونیت کا عمیل وکارندہ بن جانا کسی طرح دانشمندی نہیں**، آخر کیا انجام ہوا عراق، مصر اور لیبیا وافغانستان کا، یہ بھیانک انجام سامان عبرت ہونے کے لئے کافی ہے، ایران کا خوف دلا کر اسلحہ منڈی کو فروغ دینا اور پھر آپس میں ٹکرا دینا پرانا حربہ ہے، جواب تک کامیاب ہے، لیکن یہ ناعاقبت اندیش یہ نہیں جانتے کہ شیعیت کے علمبردار ہمیشہ سے صلیب اور صہیونیت کے مثلث کا جزء لاینفک رہے ہیں، **اگر چہ اب یہ نیا اتحاد ''ارہاب اسلامی'' کے خلاف صلیبیت وصہیونیت اور مسلمانوں کا قائم ہوا ہے۔ اس موقع پر یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اب اس ملک عزیز کو امت کا اجارہ دار تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ اب یہ بات پوری طرح ثابت ہوئی کہ اسلامی وحدت واخوت محض ایک نظریہ ہے اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، اس حکمراں خاندان کی طرف سے سیاست تو فی الحقیقت صرف اپنے سیاسی مفادات کی خاطر کی جاتی رہی ہے اور کی جا رہی ہے۔**

جاننے والے جانتے ہیں کہ امریکہ وروس دنیا کی دو بڑی اسلحہ منڈیاں ہیں، ان کا کام ہے کہ اسلحہ بیچیں اور معیشت سنواریں، ٹرمپ نے اس دورے میں یہی تو کیا سعودیہ کے قومی اموال سے امریکی معیشت کو اس دورہ اور سعودیہ میں اپنے پروجیکٹ کی کامیاب مارکٹینگ سے راحت ملے گی، اس سے زیادہ حیرت انگیز بات کیا ہو سکتی ہے کہ سعودیہ میں اس کے استقبال پر قومی اموال کے دہانے کھول دیے گئے مگر اسرائیل میں اس کا انتہائی سادہ استقبال ہوا، یہاں اس پر ملینوں ریال کے تحائف کی بارش ہوئی اور

وہاں اس نے ۳۸۰ ارب ڈالر کا تحفہ دیا، یہی نہیں بلکہ محقق خبروں کے مطابق ٹرمپ کو دیے گئے ذاتی تحفے سعودی حکومت کی تاریخ میں کسی سربراہ مملکت کو دیے گئے سب سے قیمتی تحفے ہیں، ذرا کسی حقیقت شناس دل جلے کا یہ تبصرہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ پہلی بار جب جارج بش پر نوازشوں کی بارش ہوئی تو سقوط بغداد ہوا (اور عقل کے اندھوں کو یہ بھی نہ نظر آیا کہ عراق کا کنٹرول ان کے دشمن ایران کو سونپ دیا گیا) دوبارہ اوباما کو ہار پہنایا گیا تو شام و یمن میں بے گناہ اہل سنت کا قتل عام ہوا، اور اب ٹرمپ پر بے حساب عنایتوں کی بارش ہوئی تو اب کس کا نمبر ہے، حالات یہی کہتے ہیں کہ امریکی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سعودیہ و امارات نے قطر کا محاصرہ کیا ہے۔

کچھ عرصہ قبل پروفیسر محسن عثمانی صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''وہ بات جس کا خطبۂ عرفات میں ذکر نہ تھا'' شائع ہوا تھا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آخر ہم اپنی ضرورت خود کیوں نہیں پوری کرتے، آخر ہم دوسروں کے دست نگر کیوں ہیں، صنعت و معیشت کی طرف ہم خود توجہ کیوں نہیں دیتے، اپنے یہاں موجود وسائل سے ہم اس طرح فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے کہ ''اعداد قوت'' کے قرآنی حکم کی تکمیل ہو جائے اور جس عزت کی تلاش میں کاسہ لیسی کا عمل ہمیں رسوا کر رہا ہے وہ عزت بھی میسر آجائے، عزت کفار کے پہلو میں تلاش کرنے والے کیوں بھول جاتے ہیں کہ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین۔۔۔، اہل علم وفکر کو اس حوالے سے اب زبان کھولنی پڑے گی، اپنے نفس، منصب و راحت کی قربانی دینی پڑے گی، یہ باور کرانا ہوگا کہ یہ وقت تقریباً آخری ہے، اگر اب کروٹ نہ لی اور سنبھلنے کی کوشش نہ کی تو پھر موقع شاید نہ ملے، کیوں کہ یہ نیا تحالف غلبہ کفر کی واضح تمہید ہے، ظاہر ہے صہیونیت صلیبیت اور سعودیہ کے اتحاد کے کیا معنی؟ سوائے اس کے کہ تباہی کا اعلان کر دیا گیا، بے شک ایران خطرہ ہے اور عالم اسلام کے لیے بہت بڑا نہیں سب سے بڑا خطرہ ہے، مگر کیا یہ شاہان مملکت نہیں جانتے کہ ایران امریکہ نواز ہے اور در پردہ ایران کو رشین بلاک اور امریکن بلاک دونوں کی پشت پناہی حاصل ہے، ابھی جلدی ہی تو عالمی منڈی میں ایران کو کچھ سہولیتیں دی گئی ہیں، کچھ پابندیاں اٹھائی گئی ہیں، آخر کیوں؟؟ اس صورت حال میں امیر قطر کا بیان انتہائی دانشمندانہ ہے ''کہ خطے کے مسائل حل کرنے کے لیے ایران کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ہمارے ایران و امریکہ دونوں سے تعلقات ہیں اور ہونے چاہئیں، اسی طرح امیر قطر نے بہت صاف لفظوں میں کہا ہے کہ کسی دوسرے ملک کو قطر پر دہشت گردی کی پشت پناہی کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، امیر قطر کا بیان درست، واضح اور حقیقت پسندانہ ہے، جس کے دل میں بھی غیرت ایمانی کا کوئی حصہ باقی ہوگا وہ اس دھاندلی اور زہرافشانی سے تڑپ جائے گا جس سے امیر قطر تڑپ اٹھے، ''امام العرب ٹرمپ'' نے ایک طرف عربوں کو ایران کا خوف دلایا، اور دوسری طرف فلسطینی مظلوموں، حماس اور اخوان کو دہشت گرد قرار دیا، سعودیہ، امارات اور مصر نے اس کی بھرپور تائید کی، جس پر امیر قطر نے سخت اور درست احتجاج کیا، ان کا بیان آتے ہی سعودیہ و امارات میں قطری چینل الجزیرہ اور دیگر قطری نیوز ویب سائٹس پر پابندی عائد کر دی گئی، قطری ذرائع نے اس کو ہیکنگ (Hacking) سے تعبیر کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ ہیکنگ نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت بیان ہے اور اگر قطر کے مطابق یہ بات مان لی جائے کہ یہ ہیکنگ ہے تو بھی اتنی بات طے ہے کہ بیان کو ان ملکوں میں تفصیلی بنایا گیا، اسے ہیجانی انداز میں چلایا گیا، البتہ قطر کا عمل جو عرصہ سے جاری ہے وہ اس بیان کی تفصیلات کا گواہ ہے۔ قطر واحد خلیجی ریاست ہے جو حماس و اخوان کے ساتھ کھڑی ہے، سعودی و اماراتی پالیسی قطر کے خلاف جارحانہ ہے، اللہ قطر کی نصرت فرمائے، حق کی تائید کی ہمت دے اور ان فریب خوردہ شاہوں کی آنکھیں کھول دے اور انہیں ہدایت دے۔

اب قطر کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ وہ اپنے موقف پر نظر ثانی کرے یا پھر بھگتنے کو تیار ہو جائے، اللہ حفاظت فرمائے، اس پورے منظر نامہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اب تک امریکہ نے جو کام سعودیہ وامارات سے لیا اب کہ بار وہی کام لینے کے لئے اس نے سعودیہ کے ذریعہ ۵۰ مسلم ممالک کو جمع کر لیا، ہم نے جس وقت مضمون لکھا اس وقت تو واقعی دھمکی تھی، مگر پھر سعودی کے بڑے لابسٹ اور حکمراں خاندان کے مقرب خاص سلمان الانصاری نے واضح الفاظ میں دھمکی دی کہ ''اپنی سیاست سے رجوع کرو ورنہ تمہارا حشر صدر مرسی جیسا کر دیں گے''، اور پھر بالآخر سعودیہ، امارات، مصر، بحرین، لیبیا اور یمن نے قطر سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع کر لیے، ایسا تو ان عرب ممالک نے کبھی بھی ایران کے ساتھ نہیں کیا جبکہ سب سے زیادہ اسی سے خائف رہتے ہیں، سفارتی ہی نہیں بلکہ قطری شہریوں کو ایک ہفتہ میں ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا اور بحری، بری اور فضائی حدود بند کرنے کا اعلان کر دیا، اپنے شہریوں کو واپس بلا لیا، اللہ غارت کرے ملعون سیسی کو اس کی دوغلی سیاست تو دیکھیے تعلقات تو منقطع کیا مگر قطر میں موجود اپنے تین لاکھ مصریوں کو واپس بلانے کی جرأت نہ کر سکا، اور قطر نے بھی مصالحت کے پیش نظر ابھی اخراج کا اقدام نہیں کیا، ایک لطیفہ سنتے چلیے کہ بظاہر قطر کو ایران، اخوان اور حماس سے تعلقات کے سبب یہ سزا دی جا رہی ہیں مگر ایران سے سب سے زیادہ تجارتی تعلقات امارات کے ہیں، بہر حال یہ اسباب وتعلقات کوئی نئے نہیں ہیں، قطر کے بارے میں سب پہلے سے جانتے ہیں، البتہ اس وقت اس میں شدت ضرور آئی ہے جیسا کہ اقوام متحدہ میں مقرر اماراتی سفیر یوسف العتیبہ کے ای میل ہیک ہونے سے ظاہر ہوا ہے، کہ اسلام پسندوں کے سلسلہ میں کیسی خطرناک پالیسی تیار کی جا رہی ہے، بعض صحافیوں کا کہنا ہے کہ اس صورت حال کا سبب اکبر یہ ہے کہ ٹرمپ نے سعودیہ امارات اور قطر جو سب سے بڑے امریکی اڈے ہیں ان کو حکم دیا تھا کہ اس کے ریاض چھوڑنے سے قبل پندرہ سو بلین ڈالر جمع کر کے دیں، ان صحافیوں نے پانچ سو بلین ڈالر کی بابت انکار کیا ہے اور اس عدد کو غلط بتایا ہے، موجودہ بحران کی وجہ یہ ہے کہ امیر قطر نے اپنے حصہ کی رقم دینے میں حیلہ کرنا چاہا تو سعودیہ وامارات نے قطر پر دھوکہ دینے اور اپنی توہین کرنے کی پاداش میں اس کو یہ سزا دی، ٹرمپ نے داخلی پالیسی پر قابو پانے کے لیے یہ چال چلی تھی، کیوں کہ کسی بھی سابق صدر کے ذریعہ اتنی بڑی اقتصادی کامیابی وہ بھی اس مختصر مدت حکومت میں نہیں حاصل کی گئی، اس کے ذریعہ وہ اپنی داخلی اقتصادی اصلاح چاہتا تھا اور پھر اقتصادی مضبوطی کے ذریعہ وہ امریکہ میں اپنی مخالفت پر قابو پانا چاہتا تھا، ان صحافیوں کے مطابق قطر براہ راست امریکہ سے بات کر کے اس بحران سے نکل جائے گا، مگر اب اخوانی قائدین اور حماس کے لوگوں کے لیے واقعی مسئلہ درپیش ہے، اطلاعات کے مطابق حماس کی قیادتیں ملیشیا منتقل ہو گئی ہیں، جبکہ کئی اخوانی پہلے ہی ترکی میں پناہ لے چکے ہیں، لیکن یوسف عتیبہ کے لیک ہوئے ای میل کے مطابق ترکی خود نشانے پر ہے، **اور یہ خبر تو نشر و مصدق ہو چکی کہ ٹرمپ سے اسلحوں کی خریداری کی ڈیل کے بعد سعودیہ نے ترکی سے کی گئی چار بحری جنگی جہازوں کی ڈیل ختم کر دی، مطلب صاف ہے کہ یہ بے چارے خود کچھ کر نہیں سکتے اور آقا کے اشارے پر اعداد قوت کا فریضہ انجام دینے والی کسی مسلم ریاست کے ساتھ کھڑے بھی نہیں ہو سکتے، غلطی تو ہم نے سمجھنے میں کی، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ الغاء خلافت سے لے کر اب تک یہ لوگ دشمنوں کے حامی ہی نظر آئے ہیں، یہ بات الگ کہ اب کچھ ڈھکا چھپا نہیں رہا، ورنہ اب تک سب کچھ صدقات وزکوۃ اور غلاف کعبہ میں لپٹا ہوا تھا، اس لیے دانشمندی تو یہ ہے کہ اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے اور دفاع کرنے کے لئے دوسروں کے دست نگر بننے کے بجائے خود ٹھوس بنیادوں پر تیاری کی جائے، مگر افسوس۔**

پیر حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز، گفتار واہی

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ بھی ہوا اور ہو رہا ہے، وہ صلیب وصہیونیت کے علمبرداروں کے اشارے پر ان کے غلام کر رہے ہیں، اور صرف اپنی خاندانی حکومت کو بچانے کے لئے کر رہے ہیں، اس کے لیے فکر اسلامی اور بیت المقدس کے محافظین ومرابطین کو دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے، اور ان سے تعلق کے سبب قطر کا بائیکاٹ کیا گیا، اصل سبب کا بس پتہ لگنا باقی رہ گیا ہے، جبکہ بعض محققین کے مطابق قطر کے بائیکاٹ کا مقصد گیس کی منڈی سے قطر کو بے دخل کر کے امریکہ اپنی بالا دستی چاہتا ہے، دنیا جانتی ہے کہ ایل این جی کی برآمد میں قطر دنیا بھر میں سرفہرست ہے، امریکہ اپنے مجوزہ ۳۰ ٹرمینلز اور ۶ زیر تعمیر ٹرمینلز کے ساتھ گیس کی عالمی منڈی پر قابض ہونا چاہتا ہے، اس طرح اس میدان میں قطر وامریکہ ایک دوسرے کے حریف ہیں، **اگر اس کو سبب اصلی مان لیا جائے تو بھی امریکی منشا کو عملی جامہ کون پہنا رہا ہے، عالم اسلام کو کمزور کون کر رہا ہے، مسلم دشمنی کا اظہار کون کر رہا ہے، ٹرمپ نے تو صاف کر دیا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے میرے اشارے پر ہو رہا ہے، اب اس کے اشارے پر مسلم ممالک کو آپس میں برسر پیکار کر کے کون کمزور کرنا چاہتا ہے۔**

ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ قطر خود امریکہ کا بڑا اتحادی ہے، امریکہ کا سب سے بڑا بحری بیڑا قطر میں ہی ہے، اور تقریبا دس ہزار امریکی فوجی وہاں رہتے ہیں، لیکن یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ قطر ایک ڈپلومیٹک ملک ہے، وہاں امریکی اڈہ بھی ہے اور طالبانی دفتر بھی، پھر یہ کیوں بھولا جائے کہ قطر سعودیہ کا بھی اتحادی رہا ہے، خلیج میں پاؤں پسارنے کے لیے ''امریکہ دادا'' کو موقع سعودیہ نے ہی فراہم کیا، اور ناعاقبت اندیشی نے پھر یکسر غلام بنا دیا، نتیجہ صفر رہا، بلکہ مزید نقصان یہ ہوا کہ صدام جو بھی تھا جیسا بھی تھا___ آخری اعمال و انجام کے مطابق ہمیں یقین ہے کہ وہ عند اللہ مرحوم ومغفور ہوں گے___ لیکن اس کے جانے کے بعد ہی خطہ میں شیعی تسلط بڑھا، عراق میں سنی آبادی کا قتل عام ہوا اور ہو رہا ہے، وہاں ایران نواز حکومت قائم ہوئی، اگر قطر پر ایران سے ساز باز کا الزام ہے تو اس پورے عرصہ میں سعودیہ اور امارات نے آخر کبھی ایران سے تعلقات کیوں نہیں ختم کیے، اگر ان کو اپنے لٹریچر میں مجوسی لکھتے ہیں تو پھر حج وعمرہ کی اجازت کیوں؟ بلکہ امارات کے سب سے زیادہ تجارتی تعلقات ایران سے ہیں، اس حقیقت کو جو نہ سمجھے اس سے بھولا کوئی نہیں کہ ایران امریکہ و اسرائیل کا دوست ہے، دشمن نہیں، بس آل سعود کی غلامی جگ ظاہر ہے اور ایران کی پس پردہ، چشم زدن میں اس طرح کے محاصرہ اور مقاطعہ کا کسی طرح جواز نہیں، یہ ایسا ناعاقبت اندیش فیصلہ ہے جو خطہ کو نئی آگ میں جھلسا سکتا ہے، ایران کے قدم مزید مضبوط ہو سکتے ہیں، بلکہ کہا جائے تو ایران کے مفادات کو خود سعودیہ تقویت دے رہا ہے، ٹرمپ کا بیان آ چکا کہ سب کچھ ہمارے اشارے پر ہوا، ٹرمپ کا بیان نظر میں رکھیے، سعودی وزیر خارجہ کا بیان دیکھیے اور پھر الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین کے امین عام علی قرہ داغی کا تجزیہ ملاحظہ کیجئے ''مرسی پر حماس وقطر سے جاسوسی کرنے اور ایران سے تعلقات بڑھانے کا الزام لگایا گیا اور ان کا محاصرہ کیا گیا (انہیں اکھاڑ کر پس زنداں ڈال کر ہی دم لیا گیا) اور اب قطر پر حماس کی معاونت کا الزام ہے، گویا صورت حال کا اصل محور اور مرکزی نقطہ مسئلہ فلسطین ہے''، سعودی وزیر خارجہ کا بیان، ریاض سے تل ابیب کی اڑان اور قطر کا یکسر بائیکاٹ سوچنے پر مجبور کرتا ہے، یروشلم کی آبادی میں عربوں کی تباہی کا راز مضمر ہے، قطر یقیناً امریکہ کا اتحادی ہے، لیکن حقائق اور اعداد وشمار کہتے ہیں کہ قطر نے باوجود اپنی ڈپلومیٹک ساکھ وشناخت کے فکر اسلامی کی آبیاری کی، فلسطینی نہتوں کی مدد کی، غزہ کے تباہ حالوں کو سہارا دیا، قطر خلیج کا امیر ترین اور مثقف ترین ملک ہے، اس کی اپنی سیاست ہے، اپنی پالیسی

ہے، وہ خلیجی ملکوں کا اتحادی ہے مگر وہ سعودی اثر ورسوخ کے ماتحت نہیں رہنا چاہتا، یہ کوئی پہلا موقع نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں گہری ہیں، جب رابطہ عالم اسلامی اپنی ساکھ بالکل ہی کھو چکا، تو قطر نے آزاد علماء کی تنظیم الاتحاد العالمی قائم کی اور انہیں کھل کر اپنی بات کہنے کا موقع دیا، عرصہ سے یہ بات دیکھی جارہی تھی کہ رابطہ عالم اسلامی سعودی حکومت کی ترجمان ایک سرکاری تنظیم بن کر رہ گئی ہے، مگر اب تو حد ہوگئی جب رابطہ نے قطر کے اس شرعاً حرام بائیکاٹ کو جائز قرار دیا، یہی نہیں بلکہ سعودیہ کے مفتی عام اور امور حرم کے رئیس و امام حرم حضرت سدیس بھی اس کی تائید میں کھڑے ہوگئے، قطر نے اگر اخوان وحماس کی حمایت کی تو کیا غلط کیا، خارجہ پالیسی اگر سعودی کی ہو تو سات خون معاف اور اگر قطر اپنی خارجہ پالیسی کے تحت اخوان وحماس کی مدد کرے تو ایران سے ساز باز ____ کیا دوغلا پن ہے ____ اخوان سے زیادہ منظّم، مثقف، مؤثر اور امن پسند کوئی تنظیم گزشتہ صدی میں وجود میں نہیں آئی، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ جب جس ملک میں جہاں بھی انتخابات کا شفاف موقع ملا تو عوام نے ان امن واسلام کے متوالوں کو کمان سونپی، لیکن کرسی کے حریصوں اور دوغلی جمہوریت کے مغربی ٹھیکیداروں کو کبھی یہ نہ بھایا، انہوں نے بنی بنائی جمہوری حکومت یا تو اکھاڑ پھینکی یا پھر بننے نہ دی، یمن کے حوثیوں سے جنگ ایسا ہی ایک ڈرامہ ہے، ہم پہلے لکھ چکے ہیں، اس کے اسباب ونتائج پر گفتگو جلد بازی ہوگی، اس کو اسلام کے دفاع میں سمجھنا بھی عجلت ہوگی، حقائق کہتے ہیں کہ اس عرب اتحاد نے حوثیوں کو نہیں مارا ہے۔

حماس کے بلاشبہ ایران سے تعلقات ہیں، اور خارجہ پالیسی کے تحت کسی کے کسی سے تعلقات ہونا معیوب بھی نہیں، مگر انہیں ایران کا ایجنٹ کہنا حقائق کے خلاف ہے، یہ وہ تنظیم ہے جس نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود دشمن کو ناکوں چنے چبوائے ہیں، جو عقل کے اندھے اور ریال کے پجاری اسے ایران کا کھلونا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ فلسطینیوں کے خون کا سودا کر رہی ہے، ان سے ایک سوال ہے کہ آخر ۲۰۰۶ء میں جب حماس کو فلسطین کے انتخابات میں شرکت کا موقع ملا تو عوام نے کس کو منتخب کیا، جنہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اس امت کی عزت کو بچا رکھا ہے، ان کو دہشت گرد کہنے والوں کے بارے میں ڈر لگتا ہے کہ کہیں خدا دشمن کو ان پر اس طرح نہ مسلط کر دے کہ ان کی ہی نہیں ملت کی بہن بیٹیاں دشمن کی باندی بن جائیں اور گدی نشینوں کی گردنوں میں رسیاں باندھ کر گھوڑے نہ دوڑا دیے جائیں۔

فی الحقیقت اس وقت کا یہ فیصلہ انتہائی خطرناک نتائج پر منتج ہوگا، یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہے، قرآن کے صریح حکم کے خلاف ہے، مسلمانوں کو چھوڑ کر بلکہ ان کو کمزور کرنے کے لیے سعودیہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ کھڑا ہو اس کا کوئی جواز نہیں، قرآن نے ایسی دوستیاں رچانے کو حرام قرار دیا ہے، خلافت کی پشت میں خنجر مارنے والوں، فلسطین کا سودا کرنے والوں، شام میں تحریک چھیڑ کر آزادی کے متوالوں کو نہتا چھوڑ دینے والوں نے اب تو ساری حدیں پار کر ڈالی ہیں، اخوان وحماس کو دہشت گرد قرار دیا، مولانا مودودیؒ کی کتابیں کتب خانوں سے نکلوا دیں اور اب علامہ قرضاوی کو دہشت گرد قرار دیا گیا، ان کی گراں قدر تصنیفات ممنوع قرار دی گئیں، ان دونوں ہی شخصیات کی دینی خدمات پر انہیں ''شاہ فیصل ایوارڈ'' سے سرفراز کیا گیا تھا، مگر اب آقا نے کچھ اور حکم دیا تو رخ بدل گیا، مذہبی شخصیات کا استحصال، مذہبی تنظیموں کو استعمال کر کے ٹھکانے لگانا اور مذہب کا لبادہ ڈال کر اسلام کی جڑیں کاٹنا تو کوئی حرم کے رکھوالوں سے سیکھے، میں کیا کہوں سوائے اس کے کہ ؎

حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ سازوں نے
تہہ حرم میں چھپادی ہے روح بتخانہ

اس وقت اگر علمائے امت سامنے نہ آئے اور حق گوئی کا فرض منصبی ادا نہ کیا بلکہ حرمین کے معذور علمائے سلطان کی روش

اختیار کی، فکر اسلامی کو اگر دہشت گردی قرار دے دیا گیا تو اس کے اثرات عالمی ہوں گے، بالخصوص ہندستان پر اس کی زد پڑے گی، جبکہ یہاں کی منتشر قیادت پہلے ہی اپنی ساکھ کھو چکی ہے، اور حکومت وقت کے اسرائیل سے گہرے تعلقات سب کو معلوم ہیں، یہ سارا ڈرامہ صرف قضیہ فلسطین اور فکر اسلامی کے سبب ہے، صورت حال بایں جا رسید کہ سعودی حکومت نے جید اور منتخب علماء کو (ارہابی) دھشت گرد لکھنے اور بولنے کا حکم جاری کر دیا ہے، امارات نے کہا ہے کہ اگر کوئی اماراتی کسی قطری سے اظہار یکجہتی بھی کرتا ہے تو ۱۵ سال تک کی جیل ہو سکتی ہے، آخر اتنے سخت اقدامات کبھی ایران کے خلاف کیوں نہ کیے گئے اگر واقعی یہ لوگ اس کو امن عالم کا دشمن سمجھتے ہیں؟ لیکن واقعہ اس کے برخلاف ہے، ایران ہو یا سعودیہ دونوں کا ذہن توسیع پسندانہ ہے اور دونوں کی سیاست اسی کے لیے ہے، اور دونوں پر مذہب کا لبادہ ہے، ۱۹۲۴ سے مکر وفریب کی جس سیاست کی ابتدا مذہب کی آڑ میں ہوئی اور فلسطین کے سودے پر دستخط کیے گئے، پھر ۵ جون ۱۹۶۷ء کو عرب اسرائیل جنگ کا کھیل کھیلا گیا، اسی ۵ جون کو اچانک قطر کا محاصرہ چہ معنی دارد؟ جبکہ قطری وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ قطر پر جو الزامات عائد کیے گئے ان کے متعلق جی سی سی اجلاس یا ''ریاض سمٹ'' میں کوئی گفتگو بھی نہیں ہوئی۔

اس صورت حال میں ــــــ یا رسلامت رہے ــــــ ترکی نے اپنے ۵۰۰۰ فوجی قطر کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے بھیج دیا ہے، یہ معاہدہ ۲۰۱۴ء تھا، مگر اس پر اس وقت عمل درآمد ایک خاموش پیغام ہے، ترک فوجیوں کے قطر پہنچنے کے بعد کی خبریں ہیں کہ مسٹر ٹرمپ نے امیر قطر سے فون پر بات کی ہے اور بحران کے حل کا دلاسہ دیا ہے، ساتھ ہی خلیج تعاون کونسل کے ''شدت پسندی'' کے خلاف مہم تعاون کا مشورہ بھی، خدا کسی نئی آزمائش سے محفوظ رکھے اور عالم اسلام کے شاہوں کو صحیح سمجھ دے، مکر شیطانی کو سمجھنے کی توفیق دے اور لا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا کے قرآنی فرمان کو کاش وہ سمجھ لیں۔

یہاں ایک بات اور عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ہمارے یہاں جب بھی عالم عربی کی سیاست پر بات کی جاتی ہے تو فوراً بات کا رخ حرمین کے شرف وتحفظ کی طرف پھیر دیا جاتا ہے، بلاشبہ حرمین سے مقدس ومتبرک کون سا مقام ہے، مگر اس پر رنگ وروغن کرنے سے سیاست کا کیا تعلق، خدمت حرمین کے متعلق جو بیان سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں ہے وہ بھی نظر میں ہونا چاہیے اور اسی کے پیش نظر فیصلہ کرنا چاہیے۔

ایک اسٹیٹ کے ذریعہ فکر اسلامی کی جڑوں کو دہشت گردی سے تعبیر کرنے پر رگِ غیرت نہیں پھڑکتی، ایسا لگتا ہے کہ خون سفید ہو گیا ہے، آخر ایسے رزق سے کیا حاصل جس سے پرواز میں کوتاہی نہیں بلکہ روح وضمیر دونوں مردہ ہو جائیں، اس سے زیادہ سطحی سوچ کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک ہولناک طوفان کی تمہید لکھ دی گئی، صلیبی وصہیونی اور سعودی اتحاد کے ذریعہ غلبۂ کفر کا اعلان ہو گیا، مصر، شام اور عراق کے بعد قطر کو نشانے پر رکھ لیا گیا، فلسطینی مزاحمت کاروں کو دہشت گرد قرار دے دیا گیا، تاریخ میں ایک اور سیاہ باب رقم کر دیا آ گیا، خاتون اول سے مصافحہ کی رسم وارفتگی کے ساتھ ادا کی گئی، مگر ہمارے یہاں چرچا ہے تو اس کا کہ بادشاہ سلامت نے صدر امریکہ کو بائیں ہاتھ سے قہوہ پیتے ہوئے ٹوکا اور ٹرمپ نے فوراً اصلاح قبول کی اور دائیں ہاتھ سے پینا شروع کر دیا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

❑ خاص تحریر

بہارعرب
ایک عمر گذری حسرت فصل بہار میں

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

مختلف سیاسی نظریات کے تجربے کئے جاتے رہے ہیں اسلام کا سیاسی نظریہ جوقرآن وسنت پرمبنی ہے وہ بھی تاریخ میں تجربہ سے گذر چکا ہے پہلا تجربہ قرون اولی میں کیا گیا تھا۔ اسلامی سیاست کے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے مسلم ملکوں کے نظام کا جائزہ لیتا رہے کہ وہ نظام اسلام کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔اس طرح سے اسلام کا سیاسی نظام کیا ہےاس کی تشریح کے بعداس کی بھی ضرورت ہے کہ بتایا جائے کہ موجودہ عالم اسلام کا سیاسی نظام اسلام کے معیارمطلوب سے کس قدرنزدیک ہے یا کس قدردور ہے اوراس سے اسلام کی کیا نیک نامی یا بدنامی ہورہی ہے۔ ایک مدت سے علماء یہ محسوس کرتے تھے کہ مسلم ملکوں کا نظام اسلام کے جمہوری نظام سے یا شورائی نظام سے ہٹ چکا ہے اس میں بہت سی خرابیاں درآئی ہیں ۔ایسے میں جب کئی ملکوں میں انقلاب نے دستک دی توامید کی کرن سینوں میں جاگی تھی۔تمام مخلوقات میں انسان کواللہ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ حالات کو تبدیل کرسکتا ہےاورغلطیوں کودرست کرسکتا ہے یہ صلاحیت اللہ نے دوسری مخلوقات کونہیں عطا کی ہے ۔انسان کو یہ حوصلہ دیا گیا ہے کہ وہ ماحول کے رحم وکرم پر نہ رہے اورجونظام غلط ہےاس کو بدلنے کی کوشش کرے۔اس لئے عرب دنیا میں تبدیلی کی لہر چلی تواہل عقل وشعور نے اس کا خیرمقدم کیا تھا ۔عرب دنیا میں جمہوریت کی بہار اورنسیم جاں فزا آنے کوتھی، Arab spring یعنی بہارعرب کے آنے کے بڑے چرچے تھے،آمد بہار کی خبر پورے گلستاں میں عام تھی،اسلامی ذہن کے لوگوں کوخوشی تھی کہ شاید اب صحیح اسلامی حکومت قدیم جابرانہ مسلم حکومتوں کی جگہ پرقائم ہوجائے اورجسے اسلامی جمہوریہ کہا جاسکے، خیرمقدم کے لئے لوگوں نے راہ وفا میں دل سا ایک چراغ جلا رکھا تھا، لیکن پھر کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ کوئے وفا میں روشنی نہ ہوسکی اوروہی ہوا جوایک شاعردلنوازکلیم عاجز نے کہا تھا

کچھ دور ہی بہارِ چمن آکے رہ گئی
ابھری نہ تھی کہ آرزو مرجھا کے رہ گئی
پھیلائے ہاتھ شاخ نے پھیلا کے رہ گئی
خوشبوئے گل نہ جانے کہاں جاکے رہ گئی
اک عمر گزری حسرت فصلِ بہار میں
اب تک تڑپ رہے ہیں اسی انتظار میں

فصل بہار کے انتظار میں واقعی اک عمر گذری تھی،صحیح اسلامی ریاست صرف خلافت راشدہ کے دورتک رہی ،اس کے بعد تھوڑے تھوڑے وقفے ملتے ہیں جس میں اسلام کا نظام حکمرانی جلوہ افروزنظرآتا ہےورنہ بحیثیت مجموعی اسلام صرف عبادات میں باقی رہا،اسلام نے جمہوریت اورآزادی رائے کا چراغ اس وقت روشن کیا تھا جب ساری دنیا میں استبدادی نظام اور موروثی بادشاہت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا،اسلام نے انسان کو بنیادی سیاسی اورسماجی حقوق اس وقت دئے تھے جب دنیا کے ملکوں میں ان کا وجودنہیں تھا آج اس دورمیں جب ساری دنیا میں جمہوریت کا دلفریب نغمہ گونج رہا ہے انسانی حقوق کا چارٹر موجود ہے خود

ہندوستان کے اندر لوگ اپنی مرضی سے جسے چاہتے ہیں اقتدار کی کرسی پر بٹھاتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں بے راج اور بے تاج کر دیتے ہیں، لیکن عرب ملکوں میں قیصر وکسری کا استبدادی نظام اور ملوکیت کا دلدوز دلفگار اور دلخراش ماحول چھایا ہوا ہے۔ مزید یہ کہ اسلامی اسٹیٹ کے مقاصد بھی ان سے پورے نہیں ہو رہے ہیں، غیر اسلامی اور غیر جمہوری اور غیر عادلانہ حکومت کا زمانہ ان ملکوں میں اتنا طویل ہو گیا کہ بہت سے لوگ اسے اب ضروری نہیں سمجھتے ہیں کہ تبدیل لائی جائے، اگر انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور استبدادی نظام کے خلاف کہیں صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے تو مفتیان حرم اس کے خلاف فتوی کی بندوق کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ حضرات صرف ذکر وفکر صبح گاہی اور مزاج خانقاہی کو اور بے دین اور ظالم حکمراں کی بے چوں چرا اطاعت کو مکمل اسلام سمجھتے ہیں۔ عرب ملکوں میں اور بالخصوص خلیجی ریاستوں میں درہم ودینار کے معاشی مفادات میں مشغول رہنے والے کچھ ظاہری طور پر دیندار لوگ خود کو ربانیت کا علم بردار کہتے ہیں، ان کی ربانیت نماز وروزہ سے مکمل ہو جاتی ہے باقی اسلامی نظام اور قوانین شریعت کے نفاذ کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، اور قوانین شریعت کے نفاذ کی تحریک کے علم برداروں پر مصر اور شام اور خلیجی ریاستیں، سعودی عرب، امارات اور بحرین ظلم کریں اور اپنے مفاد کے لئے ان کو دہشت گرد قرار دیں انسانی حقوق کو روند ڈالیں آزادی تحریر وتقریر کو کچل دیں اور عبد الفتاح سیسی جیسے غاصب اور غدار کی اربوں ڈالر سے مدد کریں اور اگر کوئی ملک جیسے قطر دینی جماعت کے لوگوں کو پناہ دے تو وہاں کی حکومت کو دھمکیاں دیں اور اس کے ساتھ تعلقات منقطع کر لیں تو ان مسلم ملکوں کے نام نہاد دین داروں کے سروں پر بھی جوں نہیں رینگتی ہے، ان میں بہت سے لوگ حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں۔ دنیا کے موجودہ جمہوری نظام کی طرح اسلام میں بھی ظلم کے خلاف احتجاج کا اور اپنی حقوق کے لئے آواز بلند کرنے کا پورا حق دیا ہے اور دنیا اس حق کو تسلیم کرتی ہے۔ اخوان اور دوسری دینی تحریکات نے کئی عرب ملکوں میں حکومتوں کے خلاف احتجاج کی پر امن تحریکیں چلائی تھی لیکن یہ عرب حکومتیں پر امن احتجاج کو برداشت نہیں کر سکیں دنیا میں ہر جگہ احتجاج کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ گاندھی جی نے اسی نظریہ کے تحت برطانوی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی تھی اور دنیا میں آج بھی اظہار خیال کی آزادی کو کوئی نہیں روکتا ہے، لیکن ان مسلم حکومتوں میں کوئی آزادی نہیں۔ حرمین شریفین کی سرزمین کے والی بھی جب خلاف اسلام حرکت کرنے لگیں اور دینی تحریکات پر دہشت گردی کا الزام لگانے لگیں اور قطر سے اپنے تعلقات اس لئے منقطع کر لیں کہ وہاں اخوان کو پناہ دی جاتی ہے اور اس مقدس سرزمین یعنی حجاز کے علماء بھی اپنی حکومت کا ساتھ دینے لگیں تو مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ قیامت قریب ہے وہاں یہ فیصلہ ہوگا کہ کس کا نقطہ نظر درست تھا، ان علماء کا جو اپنی حکومت کی غلط پالیسی کی تایید میں بیانات دیتے رہے اور ظلم کا ساتھ دیتے رہے یا وہ علماء جو اللہ کی شریعت کے نفاذ کی تحریک چلاتے رہے اور حکومت کے مظالم برداشت کرتے رہے، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ وفاداری اسٹیٹ کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ حکومت کے ساتھ، اسلام میں اور جمہوریت میں حکومت پر ہر طرح کی تنقید کی اجازت ہے یہ اجازت عہد حاضر کی بیشتر مسلم حکومتیں دینے کے لئے نہیں تیار ہیں، اس اعتبار سے یہ سب صرف مسلم حکومتیں ہیں نہ کہ اسلامی حکومتیں۔ ان حکومتوں میں بہت سی حکومتیں ہیں جہاں اسلامی قوانین پر بھی عمل نہیں ہوتا ہے۔ اسلامی قوانین یا خدائی قوانین ان ضابطوں کو کہتے ہیں جنہیں خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں یعنی نبیوں اور پیغمبروں کے ذریعہ عام انسانوں کی ہدایت کے لئے بنایا ہے۔ چنانچہ بہت سے عرب اور مسلم ملک ہیں جہاں شراب خانہ خراب پر کوئی پابندی نہیں ہے جہاں فحاشی کے اڈے موجود ہیں، سودی کاروبار کی پوری اجازت ہے۔ ان برائیوں کے خلاف جب دینی تحریکیں مورچہ سنبھالتی ہیں تو ان کو پولیس اور فوج کی طاقت کے ذریعہ کچل دیا جاتا ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مغرب میں جمہوریت کے دعوے دار مشرق میں اور عرب ملکوں میں جمہوریت کے مددگار نہ بن سکے، کیونکہ عرب دنیا میں جمہوریت کے

پردہ سے اور انتخابات کے ذریعہ جولوگوں کا پسندیدہ نظام نکل کر سامنے آیا وہ اسلامی نظام تھا اور جولوگ منظر عام پر آئے وہ اسلام پسند اور دین وشریعت کے وفادار لوگ تھے۔ مغرب نے سوچا کہ دنیا میں ہر جگہ جمہوریت رہے لیکن عرب ملکوں میں جمہوریت نہ آئے تو بہتر ہے۔ چنانچہ پانسا پلٹ دیا گیا، اسلامی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا، استبدادی نظام پھر سے قائم ہوگیا اور اسلام پسند دار ورسن کے حوالے یا پس دیوار زنداں ڈال دئے گئے موج خوں سروں پر سے گذر گئی۔ کرب وبلا کی خوں چکاں داستان پھر سے تازہ کی گئی اور جمہوریت کے چاہنے والے اہل اسلام جو اسلام کے سیاسی نظام کو دیکھنے کے لئے چشم براہ تھے سرراہ وفا دل برباد کو ہاتھوں سے تھامے جمہوریت کا چہرہ زیبا دیکھنے کے لئے بس انتظار ہی کرتے رہ گئے۔ شام میں اسلام کی شام غریباں زلف جاناں کی طرح دراز ہوتی چلی گئی۔ کوئی پوچھے ٹوٹے ہوئے ارمانوں کا اور زخمی دلوں کا حال شیخ یوسف القرضاوی سے اور راشد الغنوشی سے اور ہندوستان اور دنیا کی اسلامی جماعتوں سے وابستہ ہزاروں اہل فکر اور اہل قلم سے جنہوں نے اسلام کے سیاسی نظام کے روئے زیبا کے دیدار کی خاطر بہار عرب کا خیر مقدم کیا تھا۔ یادوں کے زخم اتنے ہیں کہ مندمل ہونے کا نام نہیں لیتے اور سب کا ذکر بھی مشکل ہے۔ وادریغا کہ ظلم کی چکی میں پڑوسی ملک بنگلہ دیش میں بھی اہل ایمان پیسے جارہے ہیں دیندار اور تہجد گار لوگوں کو تختہ دار پر لٹکایا جارہا ہے۔ شام ومصر میں انقلاب بدوش اہل دین آزمائش کی بھٹی میں ڈالے جارہے ہیں۔ ایسے وقت میں ترکی ایسا مسلم ملک ہے جس نے بنگلہ دیش سے بھی احتجاج کیا اور اس نے مصر کی بھی مذمت کی جس کے صدر نے ایک سازش کے تحت محمد مرسی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور ترکی نے شام کے ظالم بشار الاسد کیخلاف سخت موقف اختیار کیا اور اپنی سرزمین پر لاکھوں لاکھ شامیوں کو پناہ دی۔

یادش بخیر، ۱۹۹۰ میں جب الجزائر میں بلدیہ کا الکشن ہوا تو اسلامی جماعت اسلامک سالویشن فرنٹ نے ۲۳۱ نشستوں میں سے ۱۸۸ نشستوں پر قبضہ کرلیا، یہ الکشن کا پہلا مرحلہ تھا، حکمراں پارٹی نیشنل لبریشن فرنٹ نے صرف ۱۶ سیٹیں حاصل کی تھیں، قوی امید تھی کہ دوسرے مرحلہ انتخاب میں جو بعد میں ہوتے یہی اسلامی جماعت کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیتی اور حکومت کی تشکیل کرتی، فرانسیسی استعمار سے رہائی کے بعد قربانیوں کا صلہ ملتا، لیکن دوسرے مرحلہ کے آنے سے پہلے مغرب نواز فوج نے مغربی ملکوں کے اشارے پر حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور اس طرح اسلامک فرنٹ کو اقتدار میں آنے سے روک دیا۔ اس طرح سے مغربی ملکوں کی جمہوریت نوازی کا پرفریب چہرہ بے نقاب ہوگیا۔

حماس فلسطین کی اسلام دوست دین پسند تنظیم ہے۔ ۲۰۰۶ میں جب اس نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تو اس کڑوے گھونٹ کو مغربی طاقتوں کے لئے برداشت کرنا مشکل ہوگیا، چنانچہ اس کا راستہ روک دیا گیا۔ مغربی حکومتیں جمہوریت کو پسند ضرور کرتی ہیں لیکن جب جمہوریت کے ذریعہ اسلام پسند اقتدار پر فائز ہوتے ہیں تو وہ جمہوریت کے خلاف سازش کرکے حکومت کا تختہ الٹ دیتی ہیں اور جمہوریت کی بہار پھر سے خزاں میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح ۳ جولائی ۲۰۱۳ مصر کی تاریخ کا وہ روز سیاہ ہے جب جمہوری اعتبار سے منتخب صدر محمد مرسی کی جائز اور جمہوری اور دستوری حکومت کا تختہ الٹ کر فوج برسر اقتدار آگئی، وہ فوج جس کا کام سرحدوں کی حفاظت تھا اس نے ناجائز طریقہ سے زمام اقتدار پر قبضہ کرلیا، الاخوان المسلمون کے سرکردہ لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا گیا، مظاہرہ کرنے والوں پر گولیاں چلائی گئیں، مرنے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے اور زخمی ہونے والے اس سے کئی گنا زیادہ۔ اخوان کے لیڈروں کو سزائے موت سنائی گئی۔ ظلم وبربریت کی کوئی انتہا نہ تھی جو مصر میں جمہوریت کا راستہ روکنے کے لئے اختیار نہ کی گئی ہو۔ افسوس صد افسوس کہ خلیجی ملکوں نے اسلام کے خلاف سازش کا پورا ساتھ دیا۔ اور رہے ہمارے محترم پیر حرم، تو علامہ اقبال ان کے بارے میں کہہ گئے ہیں ''پیر حرم کو دیکھا ہے میں نے، کردار بے سوز گفتار واہی''۔ آج کل پیر حرم مصر اور اپنے محرم ملک یعنی خلیجی ملکوں کے حکمرانوں کے ساتھ مل کر قطر کے خلاف محاذ بنارہے ہیں

اور ہر طرف سے اس کا محاصرہ کر رہے ہیں تعلقات منقطع کر رہے ہیں۔ کیونکہ قطر وہ واحد عرب ملک ہے جو اخوان سے اور حماس سے ہمدردی رکھتا ہے اور انکو پناہ دیتا ہے۔ لوگوں کے ذہن میں یہ بات تازہ ہے کہ سعودی عرب وہ بدقسمت ملک ہے جس نے حرمین کے تقدس کا بھی لحاظ نہیں کیا اور اپنی دینی ذمہ داری کو بھی نہیں سمجھا اور مصر میں اسلامی جمہوریت کے داخلہ کا راستہ روک دیا محمد مرسی کی جائز حکومت کا تختہ الٹا، اور بہار عرب کو خزاں آلودہ کردیا اور اسلام پسندوں کو عبدالفتاح سیسی کے ذریعہ آتش وآہن کے سپرد کردیا، کیونکہ آل سعود کو اپنا مستقبل خطرہ میں نظر آنے لگا تھا کیونکہ اس کے یہاں ملوکیت اور موروثیت کا جو غیر اسلامی نظام رائج ہے اس کے خلاف ملک کے اندر مستقبل میں آواز اٹھ سکتی تھی۔ سعودی عرب میں زبان وقلم پر سخت پابندیاں عائد ہیں، وہاں کے عوام بے زبان جانوروں کی طرح رہتے ہیں جس سے لوگ گھٹن محسوس کرتے ہیں اور یہ اسلام کی دی ہوئی آزادی کے خلاف ہے، اس لئے سعودی عرب نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ یہ اسلامی ذہن پروان چڑھے اس پر دہشت گردی کا الزام لگا کر اسے پابند سلاسل کردو۔ اس طرح سے سعودی سازش کے ذریعہ اسلامی جمہوریت کا درخت اور اسلامی نظام سیاست کا پودا مرجھا گیا۔ مغربی طاقتیں بھی اس سازش میں شریک تھیں، مغربی طاقتیں جمہوریت کی قائل ضرور ہیں لیکن اس جمہوریت کی قائل نہیں ہیں جس کے ذریعہ اسلام ایوان سیاست میں داخل ہوسکے اور غم وافسوس کی بات ہے کہ تمام خلیجی ملک ان مغربی طاقتوں کے حاشیہ بردار، خوشہ چیں، مقلد اور زلہ ربا اور دست نگر ہیں اور پیرحرم کا کیا کہنا وہ تو ڈونالڈ ٹرمپ کے ہاتھ پر حال ہی میں بیعت کرچکے ہیں اور چار ارب ملین ڈالر کا نذرانہ عقیدت بھی پیش کرچکے ہیں تاکہ اسلحہ کے نام پر کھلونے ہاتھ میں پکڑا دیے جائیں۔ سعودی عقل پر ماتم کرنے کا جی چاہتا ہے۔ اب سعودی عرب اور اس کے حلیف ملکوں نے علامہ یوسف القرضاوی سمیت ۵۹ علماء کو دہشت گرد قرار دے دیا ہے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی تو ایسے دہشت گرد ہیں جن کو دبئی کی حکومت اپنا سب سے بڑا ایوارڈ اسلامی علوم کی خدمت کا دے چکی ہے اور سعودی حکومت انہیں فیصل ایوارڈ سے نواز چکی ہے۔ سعودی حماقتوں پر لوگوں کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہونے کو ہے لوگ سوچنے لگے ہیں کہ سعودی حکومت تولیت حرمین کا استحقاق کھونے لگی ہے۔ اب باشعور اور شعر وادب والوں کی زبان پر پروفیسر ملک زادہ منظور احمد کا شعر آنے لگا ہے۔

تشنہ لبی نے جب بھی ذوق عمل دیا ہے
رندوں نے میکدہ کا ساقی بدل دیا ہے

اس دنیا کی تاریخ میں ایک سے ایک باجبروت طاقتور سلطنتیں رہ چکی ہیں وہ اب سب زمین کا پیوند ہوگئی ہیں۔ سعودی سلطنت کا زوال بھی یقینی ہے۔ مستقبل کا مؤرخ جب سعودی حکومت کے زوال کے اسباب لکھے گا تو وہ لکھے گا کہ اس حکومت کے کارپرداز اس وقت کی بڑی طاقتوں کی سازش کا شکار ہوگئے تھے بڑی طاقتوں نے اپنے خاص مقاصد کے تحت الزام لگایا تھا کہ عرب ملکوں میں دہشت گردی پیدا ہورہی ہے عرب ملکوں نے فوراً اس الزام پر یقین کرلیا اور اپنے یہاں ان تنظیموں کو جو مغربی تہذیب کا مقابلہ کررہی تھیں دہشت گرد قرار دے دیا اور علماء اور اعیان فکر اسلامی کو گرفتار کیا اور جو کام مغربی طاقتوں سے نہیں ہوسکتا تھا وہ ان عرب ملکوں نے کردکھایا۔ **اگر سلمان بن عبد العزیز سچ مچ اپنے الزام میں مخلص ہیں کہ اخوان المسلمون دہشت گردوں کی جماعت ہے اور گردن زدنی ہے اور شیخ یوسف القرضاوی دشمن امن وامان ہیں تو حرم شریف میں رمضان میں ختم قرآن کے موقعہ پر جو طویل دعا ہوتی ہے اس میں امام حرم سے یہ دعا بھی کروائیں کہ اے اللہ خادم الحرمین کو روز حشر حسن البناء اور یوسف القرضاوی اور محمد مرسی اور اخوان کے ساتھ محشور مت کر بلکہ جمال عبدالناصر، حسنی مبارک اور عبدالفتاح سیسی کے ساتھ ان کا حشر کر۔ "ویرحم اللہ عبدا قال آمینا" (اللہ اس بندے پر رحم کرے جو آمین کہے)**

☆☆☆

اصلاح معاشرہ

معاشرہ کی تعمیر وترقی اور خدمت خلق

حافظ کلیم اللہ عمری مدنی
استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام، عمرآباد

انسان اپنی فطری، طبعی، جسمانی اور روحانی اعتبار سے سماجی مخلوق ہے، اپنی پرورش ونشو ونما اور تعلیم وتربیت اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے انسانوں کا محتاج ہے، اللہ تعالی نے شروع سے ہی تخلیق کائنات کے ساتھ انبیاء کرام کی تعلیمات میں اللہ تعالی کی مخلوق پر شفقت ومحبت، ہمدردی اور خدمت کی ذمہ داری عائد فرمائی ہے، اس ذمہ داری کو انھوں نے نہایت ہی خوبصورت انداز میں انجام دی ہے، خود نبی کریم ﷺ نے بھی صالح معاشرہ کی تعمیر وترقی کی خاطر مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد رفاہی، اصلاحی، خدمت خلق اور عوامی بہبود کی ریاست قائم فرمائی، نیز مہاجرین وانصار کے مابین بھائی چارگی کا نظام وضع کیا، قرب وجوار کے قبائل کے مابین دوستیاں قائم کی، دشمنوں کے ساتھ بھی معاہدے فرمائے، امن عام قائم کرنے کی خاطر اصول وضوابط طئے کئے، بدامنی کے خلاف اعلان جنگ فرمائی، تاکہ ایک صالح معاشرہ کی بنیاد ڈال سکیں، مثالی معاشرہ قائم ہو، جس معاشرہ کی صحیح وتعمیر ترقی کے لئے ہر فرد میں ایثار، ہمدردی، غمخواری اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہو، کیونکہ معاشرہ کی ترقی کے لئے خدمت خلق کا جذبہ ایک اہم جزء ہے جس کے بغیر معاشرہ کی ترقی نہ ممکن ہے،

قرآن کریم کی آیت سورۃ ذاریات۔۵۶ کی روشنی میں مقصد تخلیق اللہ تعالی کی بندگی ہے، امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں، ایک امر الہی کی تعظیم، دوسری خلق خدا پر شفقت، دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی، ان دونوں حقوق سے کوئی بھی شریعت ی خالی نہیں رہی۔ (مفاتیح الغیب، ۲۸/۱۹۳)

عبادات اور نیکی کے مفہوم میں جو وسعت ہے اس کا اندازہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی لگایا جاسکتا ہے، ارشاد باری ہے، لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ (سورۃ البقرۃ:۱۷۷) ترجمہ۔ نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں)۔

مثالی اسلامی معاشرہ کا قیام

حق بات یہ ہے کہ صحیح عقیدہ اور صحیح اخلاق وکردار کی جہاں بہت زیادہ اہمیت ہے اسی جگہ یہ بھی مسلم ہے کہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ مختلف حالات میں اس کا معاشرہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ملا کر اس کے لئے قوت بازو بن جائے اس کا ہمدرد بنے مونس وغمگسار ہوجائے یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں تکافل اجتماعی کی ساری شکلیں موجود ہیں اور اسلام ہی اس کا شروع سے داعی رہا ہے اور

عملا اس کی مثالیں قائم کیا ہے اس لئے کہ دین اسلام صرف نظریات کا نام نہیں ہے بلکہ ایک زندہ جاوید عملی مذہب ہے جو سب سے پہلے افراد کو اس کا اہل بناتا ہے اور ایسے افراد کے ذریعہ صالح معاشرہ قائم کرتا ہے۔ خاص کر افراد میں بھی میاں بیوی کو اپنے ماتحتوں کی نگرانی اور نگہبانی کا مسؤل بناتا ہے شوہر اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہے اور بیوی گھر اور بچوں کا ذمہ دار ہے ہر مسؤل اپنی مسؤلیت سے متعلق سوال کیا جانے والا ہے یعنی خاندان کا ہر رکن ایک دوسرے سے آشنا ہو اور اس کی ضروریات سے آگاہ ہو ضرورت پر کام آئے آپس کے روابط گہرے اور مضبوط ہوں جس طرح کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار مضبوط اور مستحکم ہوا کرتی ہیں۔ یہی حال مومنوں کا بھی ہونا چاہیئے ارشاد باری ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورۃ توبہ:۷۱-۷۲)

ترجمہ: اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے جنتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور جنتہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

نیز اسلامی شریعت نے سن رسیدہ افراد خاص کر والدین کی خدمت اور ان کی فرمانبرداری تادم حیات واجب قرار دیا ہے ، نیز رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا ہے ارشاد الٰہی ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا. رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا. وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا. اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. (الاسراء:۲۳-۲۷)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ اُنہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب سے کرنا۔ اور عجز و نیاز سے اُن کے آگے جھکے رہو اور اُن کے حق میں دعا کرو کہ اے اللہ! جیسا انہوں نے میری بچپن میں (شفقت سے) پرورش کی ہے تو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا رب اس سے بخوبی واقف ہے اگر تم نیک ہوگے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخش دینے والا ہے۔ اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو اُن کا حق ادا کرو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔

ایک صالح اسلامی معاشرہ کے قیام کے ساتھ ہی معاشرہ کی ساری ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں جس کے لئے معاشرہ کے ہر فرد میں مدینہ منورہ کے انصار کے نیک اور سچے جذبات پیدا کرنا از حد ضروری ہے انصار نے مہاجر بھائیوں کو اپنا بھائی بنا کر ان کی ضرورتوں کا پورا خیال رکھا، مہاجر بھائیوں کی اجنبیت کو دور کر دیا، تو دوسری طرف سے مہاجر بھائیوں کی خودداری، غیرت مندی نے کوئی بھی چیز قبول کرنے سے آمادگی ظاہر نہیں کیا، محنت و مزدوری، کھیتی باڑی، تجارت یا کسب معاش کے حلال ذریعہ کو پسند کیا، پھر

مہاجرین وانصار آپس میں شیر وشکر ہوگئے ، اجنبیت دور ہوگئی ، الفت ومحبت میں اضافہ ہی ہوا ، دینی رشتہ کو مضبوطی حاصل ہوئی ، اخوت دینی کو ساری اخوتوں پر فوقیت حاصل ہوئی ، وطنی ، ملکی ، قبائلی او رنسبی عصبیتوں پر اخوت ایمانی کو غلبہ حاصل ہوا ، ہر جگہ دینی حمیت غالب رہی ، اللہ کی خاطر آپس کے رشتے قائم ہوئے ، یہ رشتہ سارے رشتوں (خونی ، نسبی ، سسرالی اور رضاعت کے رشتوں) پر قوی ترین ثابت ہوئے ، ان کا معاشرہ ایک اسلامی اور مثالی معاشرہ بن گیا ۔ جس کی تصویر کشی سورۃ الحجرات میں کی گئی ہے ۔ ارشاد ربانی ہے : اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ. یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ. یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ. یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ. (سورۃ الحجرات: ۱۰-۱۳)

ترجمہ : مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے ۔ ۱۰ ۔ مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتیں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں ۔ ۱۱ ۔ اے اہلِ ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ۔ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے ۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے ۔

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن دوسرے مومن کے حق میں عمارت کی مانند ہے آپ نے اپنی انگلیوں کے درمیان دیگر انگلیوں کو داخل فرما کر ارشاد فرمایا کہ عمارت کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیتا ہے (بخاری ۴۸۱) نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مومن آپس میں الفت ومحبت اور ایک دوسرے کے حق میں مہربانی کرنے میں ایک جسم وجان کی مانند ہیں جس طرح جسم کے کسی حصے میں کوئی تکلیف محسوس ہو تو اس درد وکرب میں جسم کا ہر عضو شریک ہوا کرتا ہے ۔ (بخاری ۶۰۱۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص (مسلمان) کسی مسلمان کی کسی دنیوی تکلیف کو دور کریگا تو اللہ تعالی اس کی آخرت کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کردے گا اور جو شخص کسی تنگ دست کی تنگ دستی کو دور کرنے کے لئے آسانی پیدا کریگا تو اللہ تعالی اس کے مسائل دنیا وآخرت میں آسان کردے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالی اس کی دنیا وآخرت میں پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالی بندہ کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے ۔ (صحیح مسلم ۳۸ (۲۶۹۹)

نیز علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ سور یا مردہ کھانے پر مجبور ہو جب کہ اس کے بھائی کے پاس زائد کھانا موجود ہو ۔ (۱۵۹/۶ المحلی لابن حزم)

الغرض اخوت ایمانی صحیح معنی میں پیدا ہو جائے تو امت کے بہت

سارے مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔ ان شاءاللہ۔

اسلام کی نظر میں خدمت خلق کا صحیح وجامع مفہوم یہ ہے کہ رضائے الٰہی کی خاطر تمام مخلوق خصوصا انسانوں کے ساتھ جائز امور میں مدد دینا ہے، یہ صفت جس کے دل میں پیدا ہو جائے وہ لوگوں کے دلوں سے بڑھ کر اللہ کے پاس خاص مقام ومرتبہ پالیتا ہے، اللہ کی رضا اور قرب کا خاص حقدار بن جاتا ہے، نیز بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد یعنی جو شخص دوسروں کی خدمت کرتا ہے (ایک وقت ایسا آتا ہے کہ) لوگ اس کی خدمت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

خدمت خلق کا مفہوم۔ خدمت خلق ایک انسانی ضرورت بھی ہے اور ایک اہم عبادت بھی، رب ذوالجلال کے نظام ربوبیت کا اعلان بھی اور رسول اکرم ﷺ کی رحمت ورأفت کا عین مظہر بھی ہے، اسلام نے باہمی اخوت وبے لوث ہمدردی وخیر خواہی کو اعلی انسانی اوصاف کا جز ولاینفک قرار دیا، خدمت خلق میں صرف مالی امداد واعانت ہی شامل نہیں بلکہ رفاہی ادارہ بنانا، کسی کی رہنمائی کرنا، کسی کی کفالت کرنا، کسی کو تعلیم دینا، کوئی ہنر سکھانا، اچھا اور مفید مشورہ دینا، کسی کی علمی سرپرستی کرنا، مسجد ومدرسہ قائم کرنا، نیکیوں کا حکم دینا، برائیوں سے روکنا، راستوں سے تکلیف دینا چیزیں ہٹانا، ہسپتال بنانا، کنویں کھودنا، اسکول وکالج قائم کرنا، تالاب بنانا، دارالامان بنانا وغیرہ بھی خدمت خلق کے شعبہ میں داخل ہے، یعنی ہر وہ کام جس سے مخلوق خدا فیض یاب ہوتی ہو یہ سب کام بھی خدمت خلق میں شمار ہوتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے، وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب. (سورۃ المائدۃ)

ترجمہ: اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ضرورتمندوں کے چھوٹے موٹے کام خود اپنے ہاتھ سے کر دیا کرتے تھے، مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں (اور دشمنان اسلام) کے کام بھی آیا کرتے تھے، خصوصا موجودہ دور مادہ پرستانہ دور ہے، غربت وافلاس، ظلم وستم، بغض وعداوت اپنے عروج پر ہے، اگر ہم خدمت خلق کی جانب بھرپور توجہ دیں تو ن یقیناً اسلام کے حق میں بھی اور انسانیت کے حق میں بھی ایک بڑا کارنامہ ہوگا۔

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ خدمت خلق یہ ہے کہ ایک کمیٹی قائم کی جائے جس کے توسط سے کچھ غرباء کو مالی تعاون پیش کر دیا جائے، یا خورد ونوش کے سامان مہیا کئے جائیں، کچھ کپڑے وغیرہ کی فراہمی ہو، درحقیقت یہ سب کچھ خدمت خلق کا بہت معمولی سا حصہ ہے، خدمت خلق کے معنی ومفہوم کے لحاظ سے بڑی گہرائی ہے، یعنی سارے مخلوقات کے ساتھ ہمدری، خیر خواہی، دیکھ بھال، حسن سلوک، محبت وشفقت کا برتاؤ بھی خدمت خلق میں شامل ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ اس موضوع پر اہمیت بتائی گئی، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے، یتیموں کی کفالت کرنے، بھوکوں کو کھلانے پلانے کی صفاتیں اللہ تعالی کے مومن بندوں کی صفتیں بتائی گئی ہیں، ان حقوق کی کمی کی صورت میں جہنم کی وعید سنائی گئی، بلکہ دوزخ میں داخل ہونے کے من جملہ اسباب میں سے خدمت خلق کو نظر انداز کرنا بھی ایک اہم سبب ہے، جیسا کہ سورہ مدثر میں ارشاد باری ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ. اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ. فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَ لُوْنَ. عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ. مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَر. قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ. وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ. (سورۃ المدثر: ۳۸-۴۴)

ترجمہ۔ ہر شخص اپنے کسب کے لئے رہن ہے، دائیں بازوں والے کے سوا، جو جنتوں میں ہوں گے، وہ مجرموں سے پوچھیں گے، کیا چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی، تو وہ کہیں گے، جو نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ایمان کے عملی مظاہر ہیں، بلکہ ایمان کے جزولاینفک ہیں، اس میں کمی

پر باز پرس ضرور ہوگی، اور دوزخ کے ٹھکانے کی وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اپنی فکر کے ساتھ معاشرہ کی تعمیر وترقی کی فکر بھی ہر فرد بھی لازم ہے، اسی بنیاد پر معاشرہ ترقی کرے گا، اور تعمیر کی راہ پر گامزن ہوگا، نبی کریم ﷺ نے اسی نہج پر معاشرہ کی تعمیر وترقی کے لئے کوششیں فرمائی، خدمت خلق میں اپنی ساری زندگی گذاردی، تادیم حیات یہ کوشش رہی کہ کسی سے کسی ذات کو تکلیف نہ پہنچے، مدینہ منورہ میں جب آپ کی تشریف آوری ہوئی تو سب سے پہلے یہ پیغام عام فرمایا کہ سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، رشتوں کو جوڑو، راتوں میں بیدار رہ کر تہجد کا اہتمام کرو جب کہ دنیا سوئی ہوئی ہو، تو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔ (مسند امام احمد) یعنی جنت میں داخلے کے لئے انسانیت کی خدمت کرنی ہوگی، انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، ضرورتندوں کی ضرورتوں کا خیال رکھا جائے، انسان انسان ہونے کی حیثیت سے ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے، خواہ اس کا تعلق کسی مذہب اور قوم سے ہو، وہ شفقت ومحبت کا مستحق ہے،

معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خدمت خلق مطلوب بھی ہے اور مقصود بھی ہے، دین کا مقصد لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچایا جائے، ولو بالفرض اس جہاں میں کسی کا بھی گھر جل رہا ہو تو اس کو بجھایا جائے تو یہ بھی خدمت خلق ہے، اور اگر موت کے بعد اس کو نار جہنم سے بچایا جائے تو یہ بھی بدرجہ اولی بہت بڑی خدمت خلق ہے، پوری امت کو تباہی سے بچانا، جنتی بنانا، رب کا بندہ بنانا، اسی کی بندگی پر جمع کرنا بھی یقیناً خدمت خلق کے باب سے ہے، جب کہ بدقسمتی سے لوگوں نے چند مالی تعاون کا نام ہی خدمت خلق سمجھ لیا ہے، خدمت خلق کے لئے پیسہ کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، اخلاقیات سے لوگوں کا دل جیتا جاسکتا ہے، اسلام کے پھیلنے کا سب سے بڑا سبب ہمارے مبلغین کا حسن اخلاق، فاضلانہ کریمانہ سلوک، شریفانہ طور طریقے ہی تو تھے، دین میں اخلاقیات کا ایک جامع تصور اور عملی شکل موجود ہے، اس تصور کے ساتھ ہی معاشرہ ترقی کرسکے گا ورنہ نہیں۔

خدمت خلق اپنی وسعتوں کے ساتھ معاشرہ کی تعمیر میں مد معاون ثابت ہوسکتا ہے مثلا ہماری ذات سے کسی بھی حیوان ناطق وغیر ناطق کو تکلیف نہ پہنچے، زبان سے کوئی بات نکلے تو صحیح اور بھلی بات نکلے، ہمارے ہاتھ اور پیر سے کسی کو نقصان نہ پہنچے، ہمارے دل میں کسی کے خلاف کوئی کینہ کپٹ، بغض وعداوت نہ ہو، سب کا بھلا چاہنے والا دل ہو، ہماری ملاقاتیں مسکراہٹوں کے ساتھ ہوں تو یہ بھی انسانوں کی خدمت میں شامل ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده** ، (مسلم) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔

موجودہ معاشرہ اگر اسی نہج پر قائم ہوجائے، ہر شخص دوسرے کا بھی خواہ ہو، ایک دوسرے کی ضرورتوں کا پاس ولحاظ رکھنے والا ہو، ہر ایک میں ایثار کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہو، غمگساری، نیک نیتی، دینداری اور دیانتداری کے اوصاف جمع ہوں جائیں تو صالح معاشرہ کی تعمیر وترقی کے امکانات قوی ہوں گے، خصوصا خدمت خلق کا جذبہ ساری انسانیت میں پیدا ہوجائے گا تو اسلام کی صحیح ترجمانی مؤثر پیرائے میں ظاہر ہوکر رہے گی۔ ان شاء اللہ

احادیث شریفہ میں اس موضوع کی (معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خدمت خلق کی اہمیت) اہمیت وافادیت اور فضیلت پر کئی تعلیمات وادر ہیں۔ مثلا

۱۔ **خير الناس من ينفع الناس** ، (ترمذی) لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع اور فائدہ پہنچائے۔

۲. **اماطة الاذى عن الطريق صدقة** ۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ (مسلم)

۳. **ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء** (مسلم) یعنی تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم وکرم کا معاملہ فرمائے گا۔

۴. **الخلق عيال الله فأحب الخلق الى الله من أحسن الى عياله** (**المسند للشاشي، ۴۳۵**) یعنی ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور سب سے زیادہ اللہ کا محبوب بندہ وہ ہے جو اللہ کے کنبہ کو نفع پہنچائے،

۵۔ **من لايرحم لا يرحم** (**البخاری، کتاب الادب**) جو

رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

۶۔ قیامت کے دن اللہ تعالی بندے سے پوچھے گا کہ اے بندہ۔ میں بیمار تھا، بھوکا تھا، پیاسا تھا، بے لباس تھا، تو تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، پانی نہیں پلایا، کپڑا نہیں پہنایا تو بندہ حیرت سے پوچھے گا کہ یا اللہ تو سب کا پالنہار ہے، تو کیسے بھوکا رہ سکتا ہے؟ تو کیسے پیاسا رہ سکتا ہے؟ تو بے لباس کیسے رہ سکتا ہے؟ اس پر اللہ فرمائے گا، میرا فلان بندہ بیمار تھا، بھوکا تھا، پیاسا تھا، بے لباس تھا، اگر تو اس کی عیادت کرتا، کھلاتا پلاتا، بے لباس کو کپڑے پہناتا تو آج اس کا اجر یہاں ضرور پالیتا۔ (صحیح مسلم، ۲۵۶۹)

مولانا خرم مرادؒ نے اس موضوع پر کیا خوب بات کہی ہے۔ خدمت خلق کا کام اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جب ہم اس کام کے ذریعہ انسانیت کے لئے نبی کریم ﷺ کی طرح رحمت بن جائیں گے تو اس وقت ہمارے وہ خواب پورے ہوں گے جو ہم دنیا میں دین کے غلبہ اور اس کی اقامت کے لئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان شاء اللہ

خدمت خلق کے جذبات اور اسوہ نبوی ﷺ۔

معاشرہ کی تعمیر وترقی میں یقیناً خدمت خلق کا بڑا اہم رول رہا ہے، عہد نبوت اور خلافت راشدہ میں اس کی بے شمار مثالی ملتی ہیں، اسی کی بدولت اسلامی معاشرہ مثالی معاشرہ بن سکا، اسلام کی حقانیت ظاہر ہوئی، انسانیت کی خدمت کما حقہ کی گئی، اغیار اسلام سے قریب ہوئے، لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے، اخوت ایمانی کا عملی نمونہ نمایاں ہوا، یہ وہ حقائق ہیں جن کا انکار نہ ممکن ہے۔

اسلام سے قبل جب مکہ مکرمہ میں چند نفوس زکیہ نے انجمن حلف الفضول کی سنگ بنیاد ڈالی تو نبی کریم ﷺ نے اسی خدمت خلق کے نیک جذبات کے ساتھ اس انجمن کے رکن رکین بنے، اس کاروان کے ساتھ شامل ہو گئے، مظلوموں کی حمایت اور خلق خدا کو فیض پہنچانے اور انہیں شر سے دور رکھنے کے لئے کوشاں رہے، یہی سلسلہ آگے چلا، نبی کریم ﷺ کے دور میں ناگہانی حالات میں جب صحابہ کرامؓ وفود کی شکل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عام منادی ہوتی کہ ان پریشان حال مسلمان بھائیوں کی مدد کی جائے تو مہاجرین وانصارؓ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جمع شدہ پونجی لے آتے اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے جیسا کہ قبیلہء مضر فقر وفاقہ کے عالم میں کسمپرسی کی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اکرم ﷺ نے ان کی مدد کی خاطر صحابہ کرامؓ کو جمع فرما کر صدقہ وخیرات کا حکم دیا تو صحابہ کرامؓ نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دل کھول کر صدقہ وخیرات کیا دیکھتے ہی دیکھتے اناج اور کپڑوں پر مشتمل دو ڈھیر جمع ہو گئے تو رسول اکرم ﷺ کا چہرہ انور چمک اٹھا اور فرمانے لگے کہ جس نے اسلام میں کوئی نیک عمل شروع کیا تو اس کا اجر اسے ملتا رہے گا جب تک کہ لوگ اس سنت حسنہ کو جاری وساری رکھیں گے۔ (مسلم ۶۹ (۱۰۱۷)

ایک بار حبشہ سے نجاشی باشاہ کے کچھ مہمان مدینہ منورہ آئے تھے، صحابہ کرام کی خواہش تھی کہ وہ مہمانوں کی خدمت کریں لیکن آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت اور خاطر مدارت کی، اور فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے ساتھیوں (مہاجرین حبشہ) کی خدمت کی ہے اس لئے میں خود ان کی خدمت کروں گا۔ (شعب الایمان، مسند امام احمد)

خدمت خلق کے جذبات اور اسوہ صدیقی رضی اللہ عنہ۔

حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ عادت مبارکہ تھی جس مسلمان کو کفار مکہ کے ہاتھ میں غلام یا قید کی حالت میں دیکھتے تو اس کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے اور یہ لوگ عموما کمزور اور ضعیف ہوتے تھے، تو آپ کے والد ابو قحافہؓ نے کہا کہ جب تم غلاموں کو خرید کر آزاد ہی کرتے ہو تو ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرو جو طاقتور اور بہادر ہوں تاکہ وہ کل تمہارے دشمنوں کا مقابلہ اور تمہاری حفاظت کر سکیں، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرا مقصد ان آزد کردہ غلاموں سے فائدہ اٹھانا نہیں ہے بلکہ میں تو صرف اللہ تعالی کی رضا جوئی کی خاطر ان کو آزاد کرتا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء، تفسیر مظہری)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت ہی متواضع اور سادہ مزاج تھے نہ

صرف یہ کہ اپنے تمام کام خود ہی انجام دیا کرتے تھے بلکہ گلی محلے والوں کے کام کرنے میں بھی عار محسوس نہ کرتے تھے، ہمسایوں کی خدمت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا، بعض دفعہ ان کی بکریاں چرا دیتے، دودھ دوہ دیتے تھے، جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ کے پڑوس میں ایک خاتون جس کی بکری کا دودھ دوہت کرتے تھے بہت فکرمند تھی کہ اب ہماری بکری کا دودھ کون نکالے گا؟ آپ کو معلوم ہوا تو فرمانے لگے، خلافت مجھے خلق خدا کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی، یہ کام اب بھی میں ہی سرانجام دیا کروں گا۔

خدمت خلق اور اسوہ فاروقیؓ۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی عظمت وشان اور رعب ودبدبہ کا یہ حال تھا کہ آپ کے نام سے سلاطین قیصر وکسری کے ایوانوں میں لرزہ پیدا ہوتا تھا تو دوسری طرف خدمت خلق کا یہ عالم کہ کندھے پر مشکیزہ اٹھائے بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتے ہوئے نظر آتے ہیں، مجاہدین اسلام کے اہل وعیال کا بازار سے سودا سلف خرید کر لا دیتے ہیں، پھر اسی حالت میں تھک کر مسجد نبوی کے کسی گوشہ میں فرش خاک پر لیٹ کر آرام فرماتے ہیں،

ایک بار آپؓ صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ کام کسی غلام سے لے لیا ہوتا؟ آپ کیوں اتنی محنت ومشقت کرتے ہیں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ مجھ سے بڑھ کر اور کون غلام ہوسکتا ہے؟ جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ درحقیقت ان کا غلام بھی ہے۔ (سیر الصحابہ، کنز العمال)

معاشرہ کی تعمیر وترقی کی خاطر آپ نے رعایا کی بڑی یادگار خدمتیں انجام دی ہیں، مثلا زراعت کی ترقی کے لئے کئی نہریں کھدوائیں، حکومت کے انتظام وانصرام کے لئے کئی محکمے اور دفاتر قائم کئے، مکہ اور مدینہ کے درمیان چوکیاں قائم کیں، سرائیں بنوائیں، بیت المال قائم کیا، عدالتیں قائم کیں فتوحات، حسنِ انتظامِ حکومت وتدبر، عدل وانصاف، رعایا کی خیر خواہی اور حکمران کی حیثیت سے ذمہ داری کا احساس حضرت عمرؓ کے وہ کارنامے اور خوبیاں ہیں جن کی مثال دنیا کا کوئی حکمران پیش نہیں کرسکتا۔

خدمتِ خلق اور عثمان غنیؓ

امیر المومنین عثمان غنی ذو النورین رضی اللہ عنہ نے بارہ سال (۲۴ تا ۳۵ ہجری) خلافت کی، آپ کے دور میں کئی فتوحات ہوئیں، اسلامی حکومت شیخین (ابوبکر وعمر) کے دور سے بھی زیادہ پھیل گئی، یہاں تک کہ آپ کا بڑا کارنامہ جسے زمانہ بھول نہیں سکتا وہ بحری فوج کی تنظیم ہے، گزشتہ دور کی تمام لڑائیاں خشکی میں لڑی گئی تھیں اور وہ لوگ سمندری لڑائیوں سے قطعی ناواقف تھے، حضرت عثمان نے پہلی بار بحری بیڑا تیار کیا تھا۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ بڑے مالدار صحابی تھے، اس لئے وہ نسبتا آرام کی زندگی گزارتے تھے لیکن وہ اپنا تمام خرچ ذاتی آمدنی سے پورا کرتے تھے، بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے، اپنی ذاتی رقم سے سینکڑوں بیواؤں، یتیموں اور رشتہ داروں کی کفالت کرتے تھے، ہر جمعہ ایک غلام آزاد کرتے تھے، تنگی کے دور میں اپنا پورا مال راہ حق میں لٹا دیا کرتے تھے، مدینہ منورہ میں آپ کی دولت ہر کس وناکس کے لئے بہت کام آئی، فوج کشی کے وقت تن من دھن سے قربانی پیش کرنے میں ذرا سا تامل نہیں فرماتے تھے، حضرت عثمان غنیؓ نے معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خدمتِ خلق کے ذریعہ اپنا بڑا حصہ پیش کیا، مثلا رعایا کی خاطر سڑکیں، پل، اور مسافر خانے بنائے، مساجد میں تنخواہ دار مؤذن مقرر کئے، مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر فرمائی، اسے خوبصورت اور شاندار بنایا۔

الغرض اسلامی تاریخ کے روشن بابوں میں معاشرہ کی تعمیر وترقی کی خاطر خدمت خلق کو جو اہمیت دی گئی تھی، جو کارنامے انجام دئے گئے تھے، اسی نہج کو اپنانے کے ساتھ ہی موجودہ معاشرہ تعمیر اور ترقی کی راہوں پر گامزن ہوگا، بے لوث خدمت خلق سے ہی لوگوں کے دلوں کو جیتا جائے گا، ان شاء اللہ۔ اللہ رب العزت ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم والحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆

❑ تعلیم و تربیت
(گزشتہ سے پیوستہ)

تربیت اولاد - چند اہم گوشے

تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

شعور کی صحیح نشونما کے صحیح طریقے : مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعہ بچہ کے شعور کو صحیح طور پر پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔

۱۔ اس کی ضروریات کو سمجھیے :

اس کو محبت، اہتمام، توجہ اور گرمجوشی کا احساس دلایئے، یہ اس طرح ممکن ہے کہ آپ اس کے ساتھ کچھ وقت گزاریں اور اس کے ساتھ بیٹھیں، اس کے ساتھ بات چیت کریں، یا کھیل کود یا پڑھائی لکھائی میں کچھ وقت گزاریں، آپ بار بار بچہ سے کہیں کہ آپ اس کو بہت پیار کرتے ہیں مگر آپ اس کے ساتھ وقت نہ گزاریں تو اس سے ہرگز کوئی فائدہ نہ حاصل ہوگا۔ لیکن اگر آپ تھوڑا سا وقت اس کے ساتھ گزاریں تو بس یہی اس کو اپنی قیمت سے واقف کرادے گا اور اسے اپنا خیال رکھنے پر (احترام ذات) پر مجبور کرے گا۔ اگر بچہ اپنا احترام کرنا سیکھ جائے گا تو اپنی زندگی سے متعلق ہر چیز کا احترام کرے گا، پھر جو شخص بھی اس سے متعلق ہوگا وہ اس کی جانب سے اس لحاظ واحترام کا مشاہدہ کرے گا، وہ ہر شے جو اس سے متعلق ہوگی اس کا بھی خوب احترام کرے گا، وقت کی قدر کرے گا، گھر کی اشیاء کی حفاظت کرے گا، یاد رکھنا چاہیے کہ آدمی کا اپنا خیال رکھنا اور اپنا احترام کرنا یہ اس کے نفسیاتی اور شعوری طور پر صحت مند ہونے کی بنیادی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولقد کرمنا بنی آدم (اسراء: ۷۰) اس آیت سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ ہمیں اپنے تئیں کس قدر حساس ہونا چاہیے اور کائنات میں ہماری کیا قیمت ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بچوں کے ساتھ والدین کا بغل گیر ہونا، ان کو گلے لگانا ان کو چمٹنا بھی بہت اہمیت کا حامل ہے، ان کے ساتھ اس طرح کے ہلکے پھلکے کھیل سے انہیں بڑا سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ان کے والدین سے بڑا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کے تعلقات بچوں کے بڑے ہونے کے باوجود ان سے ہونے چاہئیں، ایک ۱۷ سالہ لڑکے نے میرے سامنے یہ شکوہ کیا کہ زندگی میں اس کی تمنا یہ ہے کہ وہ اپنے والد سے معانقہ کرے یا دوستوں کی طرح ان کے ساتھ چلے ____ یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے، ایسے لڑکوں کے والد ہمیشہ اپنے بچوں سے فاصلہ بنا کر رکھتے ہیں جس کے سبب اس کی اس خواہش کے پورا ہونے کا امکان نہیں رہتا۔

آپ کا بچہ جیسا بھی ہے اسے قبول کیجئے : اسے اپنے قول وعمل سے احساس دلایئے کہ آپ اس کو وہ جس حال میں ہے اسی حال میں قبول کررہے ہیں، اس سے قطع نظر کہ مدرسہ میں اس کی کارکردگی کیا ہے، اس کی شکل وصورت کیسی ہے وغیرہ وغیرہ۔

- جو بھی ہو مگر بچہ کو یہ دھمکی نہیں دینی چاہیے کہ اب اس سے محبت وتعلق کا سلسلہ ختم کردیا جائے گا بلکہ فی الحقیقت اس کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ ہر حال اور ہمیشہ میں اپنے والدین کو محبوب ہے۔

اس کو امن و اطمینان فراہم کیجئے : اور یہ یقین دلایئے کہ والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک اس کے لیے ہر

وقت حاضر (availabe) ہیں، جب بھی اس کو کوئی معاملہ درپیش ہو، جب بھی وہ کوئی بات کرنا چاہے، تو اس کو والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک ضرور ملے گا، یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب بچہ جس معاملہ میں مشورہ، مدد یا گفتگو کرنا چاہتا ہے، اس میں ہم پورے طور پر متوجہ ہو کر اہتمام کے ساتھ اس سے بات کریں، یہ صحیح نہیں ہے کہ بات تو ہم اس سے کریں اور ذہن ہمارا کہیں اور مشغول ہو خواہ کتاب میں یا اخبار میں یا ٹیلی ویژن یا کسی اور کام میں۔

۲۔ اس کو اپنی ذات پر اعتماد کا عادی بنائیے : اس کو یہ احساس دلایئے کہ آپ اس کی اہمیت وصلاحیت پر بھروسہ کرتے ہیں اور یہ احساس عملاً دلانا چاہیے صرف زبان سے اس کا دعوی کافی نہیں، یہ کام اس طرح ممکن ہے کہ بچہ کی عمر کے مناسب حال اس کو کبھی کبھی کوئی کام سپرد کیا جائے پھر اس کی اہمیت و قدرت کی تنقیص کرنے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

اس کی کوشش کے دوران اس کی خطا سے در گزر کیجئے ، اس لیے کہ پہلی مرتبہ میں ہی بچہ کو کوئی کام سپرد کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ مکمل طور پر اسے درست طریقہ سے انجام دے گا یہ درست نہیں بلکہ اس کی ہمت افزائی کی جائے، اور اس کی غلطیوں کو نظر انداز کیا جائے، ورنہ پھر نہ وہ کوشش کرے گا اور نہ سیکھے گا، مشاہدے کی بات ہے کہ بڑے بڑے لوگ بہت سے کام کرنے سے صرف اس لیے گریز کرتے ہیں کیوں کہ آس پاس کے لوگ صبر نہیں کرتے بلکہ کوششوں کا نتیجہ فوری طور پر چاہتے ہیں۔

بچہ کی حمایت و رعایت میں بھی افراط درست نہیں ھے ، اکثر بچہ کی رعایت وحمایت باپ سے زیادہ ماں کرتی ہے، مثلا وہ پسند نہیں کرتی کہ بچہ پارک میں کھیلنے جائے صرف اس وجہ سے کہ وہ مٹی سے لت پت ہو جائے گا، وہ بچہ کو جلدی سے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا دینا چاہتی ہے باوجود اس کے کہ بچہ اپنے ہاتھ سے کھانے پر قادر ہوتا ہے، اسی طرح کپڑے پہننا اور بعض دوسرے کام ہیں جو بچہ خود کر سکتا ہے لیکن ماں اسے فرط محبت ورعایت میں کرنے نہیں دیتی، جس کے سبب بچہ اپنی ذاتی صلاحتیوں اور خود اعتمادی سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس نقصان کے علاوہ ایک اور نقصان یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ بچہ اپنی ماں کو ضرورت سے زیادہ تھکاتا ہے، اور استطاعت سے زیادہ اس سے کام لیتا ہے۔

بچہ کو اپنے ذاتی کام خود کرنے دیجئے ، علم النفس کا بہت چھوٹا اور سادہ اصول یہ ہے کہ بچہ اپنے سارے کام خود کرنے کی قدرت رکھتا ہے، چنانچہ بنیادی بات یہ ہے کہ جو کام وہ کرسکتا ہے وہ ہم اسے کرنے دیں، اگر وہ کپڑے پہن سکتا ہے تو ہم اس میں مداخلت کیوں کریں، اگر وہ خود پی سکتا ہے تو ہم اسے اس کا عادی کیوں بنائیں کہ جب بھی وہ پیاسا ہو تو اس کو گلاس پیش کریں۔

گھر کے کاموں میں اس کو شریک کیجئے ، گھر کے اندر کے کام تمام افراد پر تقسیم کر لینا چاہیے اور سب کو مل کر کرنا چاہیے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ تمام کاموں کی ایک فہرست بنالی جائے اور پھر ہر کام کی ذمہ داری کے ساتھ اس سے متعلق فرد کا نام لکھ لیا جائے، یہ بات غیر مناسب ہے کہ آدمی گھر میں اس طرح رہے گویا وہ ہوٹل میں ہے اور کوئی خدمت انجام نہ دے، صرف کھائے سوئے اور اپنی دلچسپی کی مشغولیت میں لگا رہے، صفائی، رکھ رکھاؤ اور کھانے وغیرہ کی تیاری کے فرائض کوئی دوسرا انجام دے، یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ یہ سارے کام اور سب ذمہ داریاں گھر کے ایک فرد مثلاً ''ماں'' کے ذمہ چھوڑ دی جائیں، بالخصوص تب یہ بات اور زیادہ غیر منصفانہ ہے جب ہم گھر کی عورت سے ان کاموں کے ساتھ ساتھ، دیگر امور خانہ، بازار سے خریداری، بچوں کی تعلیم پر توجہ اور پھر دعوتی وسماجی پہلو پر توجہ دینے کا بھی مطالبہ کریں، اگر دیگر افراد خانہ اس کا ہاتھ نہ بٹائیں تو عورت کے لئے کیوں کر ممکن ہے کہ وہ یہ سب کام تنہا انجام دے۔ چنانچہ یوں تقسیم ہونی چاہیے کہ کوئی کھانا پکائے، کوئی فرش صاف کرے، کوئی الماری

صاف کرے کوئی کپڑے پریس کرے وغیرہ۔

اگر گھر میں اس طرح کا ماحول بنایا جائے تو اس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوگا کہ بچے ذمہ داری اٹھانا سیکھیں گے اور اپنے مستقبل کے لیے تیار ہوسکیں گے، گھر میں نظم وضبط کی بہترین صورت حال ہوگی، آپسی جھگڑوں کے امکانات کم سے کم ہوں گے، رہی ماں کی بات تو وہ ہر حال میں گھر کے ہر شخص کی مدد کرنے میں بڑی فرحت محسوس کرتی ہے خواہ گھرانہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

اس کی خصوصیات کا احترام کیجئے، جس طرح ہم میں سے ہر ایک کی خصوصیات ہیں جن کی اپنے لیے حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح والدین کو بچے کی خصوصیات Secracy کا تجسس کرنے کے بجائے ان کا احترام کرنا چاہیے، جس کا حکم سورہ حجرات کی آیت ۱۲ اولا تجسسوا میں دیا گیا ہے، اس کا تعلق صرف سیاسی نزاعات اور جنگ سے نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں سے ہے، چنانچہ اگر بچہ اپنی یادداشت لکھتا ہے تو اسے مت ٹٹولیے، اس کے خاص وسائل نہ دیکھیے، ہاں اگر اہل خانہ کو یہ اندازہ ہوجائے کہ بچہ کسی ایسی ڈگر پر جارہا ہے جو ان کے لیے پریشانی باعث ہوسکتا ہے تو تجسس کے بجائے بچہ سے روبرو اور واضح انداز میں گفتگو کرنا چاہیے۔

بچہ کی خصوصیات (Secracy) کے احترام کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ اس کے کمرے میں بغیر کھٹکھٹائے ہوئے نہ جائیں، جیسے کہ ہم کو اسلام نے سکھایا ہے یا أیها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی اهلها ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون (نور۲۷)

۳۔ **بچہ کی رہنمائی کیجئے اس کو ہدایات دیجئے**: بچہ کی اخلاقی اور دینی تربیت ورہنمائی انتہائی ضروری ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو درست ہے کہ زندگی میں اس کی بڑی بنیادی حیثیت ہے، اس سلسلہ میں ان کتابوں سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، جو اولاد کی اسلامی تربیت کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

البتہ یہاں پر بعض اہم نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

بچہ کو مستقبل میں مستحکم کرنے کے لئے اچھے فیصلے لیجئے اور ٹھوس بنیاد فراہم کیجئے، اس کے ساتھ حکمت سے بات کیجئے، مذہبی اعمال اور اخلاقی قدروں کے بارے میں اسے حکمت کے ساتھ سمجھایئے، اس طرح اس کو اس دین حنیف کے مقاصد کا ادراک ہوگا اور صحیح طور پر اس کو سمجھنے میں مدد ملے گی، اس طرز عمل سے اس میں محاکمہ اور مواقف کا احترام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی، دینی رہنمائی اور اخلاقی تربیت کے لیے یہ بات نقصان دہ ہے کہ محض رسموں پر اکتفا کی جائے اور مقصد کی وضاحت نیز روح سے عاری مشقوں کو کافی سمجھا جائے۔

بچہ کو اپنے دین و ایمان اور اپنی اقدار سے واقف کرائیے، اس لیے کہ والدین کی دینداری اور ان کے اخلاقی اصولوں پر کاربند ہونے کی معرفت بچہ کو شعوری طور پر اطمینان دیتی ہے، حقیقی زندگی میں اخلاقی تحمل کی صلاحیت ان میں اسی سے پیدا ہوتی ہے، اس مقصد کے لیے والدین کو بچہ کے سامنے کبھی کبھی اپنی سوانح کا ذکر کرنا چاہیے، اپنے پروان چڑھنے، زندگی میں پیش آنے والے واقعات وحوادث اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کرنا چاہیے۔

بچہ کو یہ سکھائیے کہ کیا حرام ہے، کیا مکروہ ہے، کیا حلال ہے، کیا مستحب ہے وغیرہ،

بچہ کو نمونہ وسلوک کے ذریعہ سکھانے پر توجہ کیجئے نہ کہ صرف اقوال پر انحصار کیجئے، کیوں کہ گھر کے اندر اور باہر مختلف اخلاقی پہلوؤں پر مشتمل نظر آنے والے اچھے نمونے کسی طرح کے بیان ونصیحت سے بے نیاز کردیتے ہیں، اخلاقی تربیت کا سب سے مؤثر اور طاقت ور

وسیلہ مناسب اور عمدہ عملی نمونہ ہے، دینی تربیت کے سلسلہ میں بچے کے لیے سب سے خطرناک چیز یہ ہے کہ وہ ایسے ماحول میں زندگی گزارے جہاں قول وعمل کا تضاد پایا جاتا ہو، بالخصوص یہ تضاد تب اور خطرناک ہوجاتا ہے جب بچہ بڑا ہوگیا ہو اور وہ جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھ دے، نوجوان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ قول وعمل کے فرق و تضاد کو قبول نہیں کرتا، قرآن حکیم میں ہے "یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون" (صف:۲)

اپنے بچہ پر بھروسہ کیجئے کیوں کہ بچہ اور والدین کے درمیان اعتماد اخلاقی اور دینی تربیت کے علاوہ عام معاملات کے لیے بھی انتہائی حساس اور اہم ہے، اس لیے ضروری ہے کہ والدین بچہ کی ہر بات میں شک کا اظہار کرنے کی عادت نہ ڈالیں، اس طرح کہ پھر وہ اس کی صحیح بات میں بھی شک کا اظہار کرنے لگیں، عدالتوں کی طرح ہر وقت جواب طلبی اور تحقیق نہ کریں، مثلاً میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ ان سے بچہ نے کہا کہ میں نے ''فلاں کام کیا'' اب وہ تحقیق کرنے لگے کیا تم نے صحیح کام کیا، کیسے صحیح مانیں جب کہ ہم نے تم کو ایسا کرتے دیکھا نہیں؟ اس طرح وہ مسلسل جواب طلب کرتے رہتے ہیں، اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ ان کے اس طرز عمل سے بچہ جھوٹ اور دھوکہ دہی سیکھتا رہتا ہے، یعنی اس طرح خود والدین ہی اس کو وہ سب کچھ سکھا رہے ہوتے ہیں جس سے ڈر کر اس کو بچانے کے لیے وہ یہ طرز اپناتے ہیں، تمام افرد خانہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کریں، یہ تب ہی ممکن ہے جب سب کو یہ اطمینان ہو کہ ہر فرد اپنی ذمہ داریاں واضح طور پر صدق وامانت داری کے ساتھ نبھا رہا ہے۔

۴۔ **گھر کے اندر اصول وضوابط متعین کیجئے** :

گھر میں کھانے ،سونے اور پڑھائی کرنے کے لیے اصول وضابطے متعین کرنا چاہئے، اس کے راست اور مثبت اثرات بچوں کے شعور پر پڑتے ہیں، اس کا نظم وضبط کی تعلیم سے گہرا تعلق ہے، جس گھر میں نظم ونسق نہیں ہوتا وہوں بچہ کا مطمئن اور فرمانبردار رہنا ممکن نہیں۔

گھر کے اندر ایک مناسب روٹین مرتب کیجئے تاکہ بچہ متعین خطوط پر چلے، بجائے اس کے کہ وہ ہر وقت اضطرابی حالت میں رہے، نظام وروٹین دونوں ہی گھر کے ہر فرد کو اپنے پروگرام اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے اور برتنے میں معاون ہوتے ہیں، اگر کسی وجہ سے کبھی ایسا نہ کیا جاسکے تو بھی حتی الامکان کو شش ہونی چاہیے کہ غیر متعینہ صورت حال کم سے کم باقی رہے۔

معقول ومنصفانہ حدود قائم کیجئے ، حدود مقرر کرنے میں گھر کی حالت اور بچہ کی عمر کا خاص خیال رکھئے، یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی قاعدہ سب بچوں پر نافذ کیا جائے، بالخصوص جب سب کی عمروں میں اچھا خاصہ تفاوت ہے، جیسے نیند ہی کو لیجئے تو سب کو ایک ہی وقت اور ایک ہی مدت کا پابند نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح جو نظام اسکولز کھلے ہونے پر نافذ رہتا ہے وہ گرمی کی چھٹیوں میں نافذ نہیں رہ سکتا، اسی طرح جو چیز ایک بچہ کے لیے مناسب ہوسکتی ہے ضروری نہیں کہ وہ اس سے بڑے یا اس سے چھوٹے کے لئے بھی مناسب ہو، قواعد وضوابط کی پابندی کرنے والوں کے لیے دوام و استمرار شرط اول ہے، اس لیے کہ تسلسل کا فقدان ہی سب سے بڑا عیب ہے، اگر قواعد کے نفاذ میں تسلسل نہ ہو تو بچہ اسی سے جان بچانا سیکھ جاتا ہے اور عدم التزام کا عادی ہوجاتا ہے، قواعد کی ترتیب وتنفیذ میں ایک اور نقص عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ان کی تطبیق وتنفیذ میں حالات اور تقاضوں سے زیادہ والدین کے مزاج کا دخل ہوتا ہے، مثلا بچہ کو ۸ بجے سونا چاہیے، مگر والد خوشگوار موڈ میں ہیں تو چاہتے ہیں بچہ ۱۰ بجے تک جاگتا رہے، کسی دن والد محترم کچھ پریشان ہیں جلدی سونا چاہتے ہیں تو چاہیں گے بچہ آج ۶ بجے ہی سوجائے۔

اصول وقواعد کی جب بھی مخالفت ہو تو اس پر کوئی سزا دی جائے جبکہ بچہ سے پہلے اس طرح کی بات کہہ دی گئی ہو، مثلا اس سے کہا گیا کہ اگر آپ نے آج اسکول کا کام پورا نہیں کیا تو آپ کو لیپ

ٹاپ کھیلنے کے لئے نہیں ملے گا، اب اگر اس نے اپنا کام پورا نہیں کیا تو اس سے جو کہا گیا تھا اس کو نافذ کیجئے۔

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ والدین کسی بھی پریشان کن عمل یا منفی بات پر بچہ کو فوراً سختی سے متنبہ کرتے ہیں، لیکن یہی توجہ ہم بچہ کے اچھے کام اور اس کے مثبت اقدام پر نہیں دیتے، اس وقت ہم اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، بلکہ بعض والدین تو سمجھتے ہیں کہ صحیح طریقہ سے کام کرنا تو بچہ کی ذمہ داری ہے، اس لیے اس پر نہ وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور نہ ہی کبھی کوئی انعام واکرام کرتے ہیں، علم نفسیات کا آسان سا اصول ہے کہ ہر وہ عمل جس پر حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور جس کی قدر ہوتی ہے وہ مستقبل میں بار بار دوہرایا جاتا ہے۔

۵۔ بچہ کو گھر کے مصائب میں شریک کیجئے:

بچہ کے لیے یہ مفید ہے کہ اس کو گھریلو زندگی کے نشیب وفراز اور خوشگوار و ناگوار تمام مراحل میں شریک کیا جائے، اسے واقف کرایا جائے، یہی زندگی گزارنے کا طریقہ ہے، مثلاً کبھی اس کو کسی مریض کی عیادت کے لیے بھیجا جائے، جنازے میں شرکت کو کہا جائے، کبھی کسی کی تعزیت کے لیے آمادہ کیا جائے، اس سے اس کو ان حالات کے تجربات کا علم ہوگا، اس کو اپنے احساسات کا ادراک ہوگا، اور وہ اپنے اردگرد موجود لوگوں کے مواقف سے بھی واقف ہوسکے گا، پھر نتیجۃً وہ زندگی میں پیش آنے والی مشکلات وچیلنجز کا مقابلہ کرنے کا اہل ہوگا، البتہ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان امور سے متعلق بچہ کو سمجھانے پر توجہ دی جائے اور ایسا انداز اپنایا جائے جس سے وہ سمجھ سکے۔

۶۔ بچے کے دوستوں کو سمجھیے:

بچے کے دوستوں کی توقعات پر پورے اترنے کی کوشش کیجئے، اس لیے کہ جب آپ کا بچہ اپنے دوستوں کو لے کر گھر آتا ہے تو وہ ان کے سامنے اپنے والدین پر فخر کرنا چاہتا ہے، اس لیے اس کے دوستوں کے ساتھ بہتر سلوک کیجئے، ان کے سامنے اپنے بچہ کے جذبات کا احترام کیجئے، اگر دوستوں کے سامنے بچے کے کسی کردہ یا ناکردہ فعل پر تنبیہ ناگزیر ہوجائے تو بڑے لطیف انداز میں اس کو متنبہ کیجئے، بہتر تو یہ ہے کہ دوستوں کی نظر سے اوٹ ہوکر یہ کام انجام دیجئے، تاکہ بات آپ کے اور آپ کے بچہ کے درمیان رہے، البتہ اگر معاملہ بہت ضروری ہو اور انتظار کی گنجائش نہ ہو تو بات الگ ہے۔

والدین کے لیے یہ قطعی ضروری نہیں ہے کہ وہ وہی کریں جو دوسرے لوگ اپنے بچوں کے ساتھ کرتے ہیں، بچے مثلاً کبھی کبھی دباؤ بناتے ہیں کہ ان کو بھی وہی چیز چاہیے جو ان کے دوست کو اس کے والد نے لاکر دیا ہے، والدین اپنی مالی وگھریلو صورت حال سے کو خود واقف ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سب کی حالت یکساں نہیں ہوتی اس لیے دوسروں کی روش پر نہ چلتے ہوئے اپنے مناسبِ حال فیصلہ کرنا چاہیے۔

بچہ کے لیے دوستوں کا انتخاب آپ نہ کیجئے مگر اس معاملہ میں اس سے بات ضرور کیجئے، بعض لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوگا، لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ بچہ کے لیے صحیح وغلط اور خود اس کے لیے مفید ومضر کو پہچاننے کی رہنمائی کریں، اس طریقہ سے اس کو یہ موقع بھی ملے گا کہ وہ جو مصالح سمجھ رہا ہے ان کو آپ کے سامنے ذکر کرے، یہ زیادہ بہتر ہے، بہ نسبت کے اس سے کہ آپ حکم جاری کردیں کہ فلاں سے دوستی کرو اور فلاں کے ساتھ مت نظر آنا۔

دوستوں کے انتخاب میں ہم بچوں پر اس طرح بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں کہ (حسب استطاعت) ہم رہائش کے لیے ایسے محلّہ کا انتخاب کریں جہاں شور شرابہ اور جرائم کی بہتات نہ ہو، اسی طرح ان کے لئے سوچ سمجھ کر اسکول منتخب کریں، تو انہیں دوستوں کے انتخاب میں دشواری نہ ہوگی اور وہاں مناسب دوست مل جائیں

گے، اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتو ہم ان کے سامنے انتخاب کے لیے اچھا نمونہ نہیں پیش کرسکتے، بقول شاعر ؎

القاہ فی الیم مکتوفا وقال لہ

إیاك إیاك أن تبتل بالماء

(اس کے بازؤوں کو باندھ کر سمندر میں ڈال دیا اور پھر اس سے کہا کہ پانی میں ڈوبنے سے بچو)

۷۔ سیکھنے میں اس کی مدد کیجئے :

اس کے اسکول کے کاموں پر توجہ دیجئے، اس کے اسکول اور وہاں کے اعمال (activities) پر توجہ سے اس کو یہ معلوم ہوگا کہ تعلیم اس کے لیے کس قدر اہم ہے، اور اس کے گھر میں تعلیم کا کس قدر اہتمام ہے۔

اس کے اساتذہ سے ملاقات کیجئے، اور بہتر ہوگا کہ ماں باپ دونوں ساتھ ملیں، ملاقات میں صرف اس کے شعوری نشو ونما اور تعلیمی ترقی پر ہی گفتگو نہ ہو بلکہ کلاس کے اندر اس کے اجتماعی سلوک و تعلقات پر بھی گفتگو کی جائے۔

اس پر تعلیم کا دباؤ نہ بنایئے بلکہ ایسا آرام دہ اور مناسب ماحول فراہم کیجئے جس میں کھیل کود اور سیکھنے کے نئے نئے مواقع ہوں، اس سے بچہ پڑھائی کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے۔

موانع تعلیم کا ازالہ کیجئے، جیسے کوئی مرض لاحق ہوتو اس کا علاج کیجئے، بچے کی بینائی ضرور چیک کرایئے، اس لیے کہ نظر کی پریشانی عام طور پر تعلیم وتعلم میں مانع ہوتی ہے۔

۸۔ اس کو اپنے خاص تجربات میں شریک کیجئے :

آپ بچے سے اپنے بچپن کی یادیں شیئر کیجئے، اس سے بچہ آپ کو زیادہ پہچان سکے گا، آپ کے اور اس کے درمیان تعلق مضبوط ہوگا، اس کو احساس ہوگا کہ اس کی جڑیں ماضی تک پھیلی ہوئی ہیں، اور گویا وہ تاریخ پر چھایا ہوا ایک سرسبز درخت ہے، بچوں میں خود شناسی پیدا کرنے کے لئے نسلوں اور تاریخی اقتدار کے درمیان تعلق بہت ضروری اور مفید ہے۔

آپ بچے سے اپنے تعلقات اور اپنی دوستی کا ذکر کیجئے تاکہ وہ آپ سے لوگوں کے ساتھ تعامل، دوستی نبھانا اور اجتماعی تعلقات باقی رکھنا سیکھ سکے، اور امن مشکلات کے حل کا طریقہ سیکھ سکے جو انسانی زندگی میں پیش ہی آتی ہیں، بسا اوقات بچے کو اپنے دوستوں سے کچھ پریشانی ہوتی ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایسی پریشانی صرف اسی کے ساتھ ہے اور کسی کو نہیں پیش آتی ایسا خود اس کے کسی نقص وعیب کے سبب ہے، لیکن جب وہ آپ کے تجربات سے مستفید ہوگا تو بخوبی سمجھ جائے گا کہ انسانی تعلقات میں اس طرح کی پریشانیاں آنا عام بات ہے۔

اس سے اپنے کام، اپنے پیشے کے متعلق گفتگو کیجئے: بسا اوقات بچوں کی جن مشکلات کا والدین کو شکوہ ہوتا ہے کہ وہ والدین سے اپنی زندگی اور اپنی تعلیم کی مشکلات کے سلسلہ میں گفتگو نہیں کرتا، اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ہم والدین اور بچوں کی یومیہ تفصیلات سے واقف ہونا چاہتے ہیں، مگر کبھی اپنی یومیہ تفاصیل کے متعلق بچوں سے گفتگو نہیں کرتے، بچہ بھی خواہی نخواہی یہ روش اختیار کرلیتا ہے، اس کا حل یہی ہے کہ والدین اپنی روز مرہ کی زندگی کے لمحات ومسائل بچوں کے سامنے رکھیں تو بچے بھی یہی رویہ اپنائیں گے اور رفتہ رفتہ گھر کا ہر فرد اپنے مسائل میں سب کو شریک کرنے لگے گا۔

گھر کے بعض کاموں کو مشترک طور پر انجام دینا چاہیے، مثلا سیر وتفریح، خرید وفروخت وغیرہ جیسے کام سب شریک ہوکر کریں، اس سے تمام افراد خانہ کے درمیان تعلقات بہتر وقوی ہوں گے اور ہر رکن خانہ اپنے کو اسی گھر کا فرد سمجھے گا۔

☆☆☆

❑ حقیقت دل

دل سا دوست نہ دل سا دشمن

مجیب الرحمٰن عتیق ندوی

دو اپریل 2017ء کی شب میں عشاء کے وقت اچانک میں شدید صدمہ دل Heart Attack سے دوچار رہا، حکم الٰہی کے آگے کون کیا کرسکتا ہے، فوری طور پر ضلع مرادآباد کے ایک شفاخانہ میں ایک ہفتہ زیر علاج رہا، پھر بغرض علاج دہلی منتقل ہوگیا، اللہ کا فضل اور احباب کی دعائیں ساتھ رہیں، بستر استراحت پر پڑے پڑے دل کے تعلق سے کچھ احساسات ضعف وکمزوری کے باوجود لکھتا رہا، مرض کے بعد صحت کی قدر آئی، ذوق وفکر کے جو جام گردش میں آئے، وہی بے تکی باتیں لکھ دیں۔

قدرت کی نیرنگیوں کا ایک عجیب شاہکار ہر جاندار کے پہلو میں مستور گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جس کو دو حرفی لفظ ''دل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہنے کو یہ دو حرف ہیں، مگر ہر جاندار کا تار حیات اسی سے جڑا ہوا ہے، اور حضرت انسان کا تو کیا کہنا، کہ اس کے دل کی وسعتوں کا بیان، اس کی جلوہ سامانیوں اس کے عجائبات کو سمیٹنا زبان وبیان کی دسترس میں نہیں، ایک دل ہی تو ہے جس کے سامان عبرت، اور تسلی ذوق کے لئے ذروں سے افلاک تک ہر چیز موجود ہے،

انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ پہلوئے آدم میں جب یہ مضغہ لحم وخون سختی وقساوت پر اتر آئے تو پہاڑوں کی صلابت شرمسار، اور درندوں کے دندان خوں آشام زیادہ نیک معلوم ہوں، اگر نرمی ولطافت کا جوہر اس میں ہو تو کاسہ نرگس میں شبنم کے قطرات کو اپنی کم مائیگی و بے بضاعتی کا احساس ہو، اس کرم وسخاوت جود وسخا کے جذبات کو دیکھئے تو دجلہ وفرات سر چھپائیں، وسعت صحراء اس کے آگے ذرۂ بے حیثیت ہو، بہر حال ''دل ہے تو جہاں ہے'' کا محاورہ مبنی برصداقت ہے۔

خواجہ آتش نے ایک چھوٹے سے گوشت کے ٹکڑے اور اس کے اتنے تماشہ ہائے گوناگوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا:

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

ولی دکنی نے مصائب ومحن مشکلات وحوادث پر اسی قطعہ لحم کی استقامت وثبات کو اپنی طویل بحر میں یوں کہا ہے:

چلی سمت غیب سے اک ہوا، چمن سرور کا جل گیا
مگر اک شاخ نہال غم، جسے دل کہیں سو ہری رہی،

شعراء کے یہاں محبت کی اک نظر دل کو چرا لیتی ہے، جگر مرحوم نے کہا ہے:

ہم نے سینے سے لگایا دل نہ اپنا بن سکا
مسکرا کر تم نے دیکھا دل تمہارا ہو گیا

ایک دوسرے شاعر نے دل بے تاب کے غائب ہونے کو محبوب کی چشم غضب ناک سے ڈرتے ہوئے کہا ہے:

اک بات کہوں تم سے خفا تو نہیں ہوگے
پہلو میں ہمارے دل مضطر نہیں ملتا

فانی بدایونی کہہ گئے:

تری ترچھی نظر کا تیر ہے بڑی مشکل سے نکلے گا
دل اس کے ساتھ نکلے گا اگر یہ دل سے نکلے گا

ان سب کے باوجود حدیث نبوی میں جو دل کی ترجمانی کی گئی ہے، وہ انتہائی جامع ہے، فرمایاہے ألا إن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كله، جسم انسانی میں ایک قطعہ لحم ہے، پورے جسم کے صلاح وفساد کا انحصار اسی چھوٹے سے گوشت کے ٹکڑے کی صلاح وفساد پر منحصر ہے۔

حدیث میں یہ بات دل کی معنویت وروحانیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہی گئی ہے، تاہم ظاہرا بھی ایسا ہی ہے، اگر دل ظاہرا اپنا کام کر رہا ہے تو حیات ہے، اور کام نہ کرے تو پورا جسم انسانی بیکار محض ہے۔

دل ایک انتہائی نازک آبگینہ ہے، جس کی شکست وریخت کا شور بھی نہیں ہوتا، ''شیشہ ٹوٹے غل مچ جائے، دل ٹوٹے آواز نہ آئے" بالکل صحیح ترجمانی ہے، خواجہ آتش نے ایک موقع پر کہا تھا:

دیکھئے اس بلائے جاں سے آتش کیونکر نبھے
دل شیشہ سے نازک، دل سے نازک خوئے دوست

بے تابی دل کو مرزا اسد اللہ غالب نہ نبھا سکے، اور بلبل شوریدہ کو غم دل بانٹنے کے لئے آواز دی، تاکہ نالہ وشیون میں دونوں شریک ہوجائیں:

آ عندلیب کریں مل کے آہ و زاریاں
تو پکارے ہائے گل، میں کہوں ہائے دل

ایک دوسرے دل گرفتہ نے جب دوسروں کی ملامت سنی تو یہ تک کہہ ڈالا:

خدا کرے میری طرح تیرا کسی پہ آئے دل
تو بھی جگر کو تھام کے کہتا پھرے کہ ہائے دل
روندو نہ میری قبر کو اِس میں دبی ہیں حسرتیں
رکھنا قدم سنبھال کے دیکھو کچل نہ جائے دل

محبت کی انتہا عشق ہے، اور عشق بے امتحان نہیں ہوتا، عشق کی آزمائشیں بہت سخت ہوتی ہیں، اس میں دل وجگر کا ثابت قدم رہنا آداب محبت اور تقاضہ عشق ہے، ایک ایسے ہی عاشق نے کہا ہے:

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

ایسے ہی ایک مقام عشق کے رمز آشنا حفیظ میرٹھی نے کہا تھا:

یہ ہمارا ہی جگر ہے، یہ ہمارا ہی کلیجہ ہے
ہم اپنے زخم رکھتے ہیں نمکدانوں سے وابستہ

بلبل کی بیتابی وشوریدگی اور قمریوں کی آوارگی کسی بھی چمن کے حسن وجمال کا حصہ ہیں، اور بلبل دل گرفتہ کو دیکھنا نازک اندام گل نے ہنسی اڑائی، تو اس نے کچھ یوں کہا:

تجھے کیوں فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کرلے

اگر محبوب کا دست ستم عاشق کا دل توڑ دے، تو جگر صاحب نے کیا زبردست ترجمانی کی ہے:

ترے دل کے ٹوٹنے پر ناز ہیں کسی کو کیا کیا
مبارک تجھے اے جگر یہ شکست فاتحانہ

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں ہر چیز کی قیمت ٹوٹنے سے کم ہوجاتی ہے، مگر جب دل ٹوٹتا ہے، اور اس کی آہیں تنور کی سوزش کی طرح اندر ہی اندر سلگتی ہیں، تو دل کی قیمت دوبالا اور اس کا حسن وشفافیت سہ بالا ہوجاتی ہے، اقبال مرحوم نے خوب کہا:

''جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں''

یہ دراصل اس حدیث قدسی کی ترجمانی ہے جس میں فرمایا ہے" انا عند المنكسرة قلوبهم" کہ خدا تعالی نے فرمایا ہے، میں ٹوٹے وبے سہارا شکستہ دلوں کے قریب رہتا ہوں۔

غم دل سے وفا کرنا، اور آزمائش ومشکلات پر صبر محبت وعشق کے لئے ضروری ہے، اس میں بے ثباتی وکم ہمتی کا گذر نہیں ہونا چاہئے،

دل کو غم واندوہ کا مدفن، اور داغ محبت کا وفادار ہونا چاہئے، کسی دل گرفتہ وجگر کوفتہ کا موقف شان عشق کے خلاف ہے:

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

دل اتنے مصائب وغم جھیلتا اور صبر ووفا سے کام لیتا ہے، درد و کرب کی سوزش میں جلتا ہے، اتنے نشتر لگتے ہیں کہ خود چھلنی ہوجاتا ہے، مگر اف نہیں کرتا، مصحفی نے تحقیق کی اور دل بیتاب کو جھانک کر چارہ گری نہ کرسکے، ہمت ہار کر کہہ بیٹھے:

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

صبر ووفا کی راہ میں ایک وقت آتا ہے جب درد ہی دل بن جاتا ہے، تو نہ دواء شفا کی جستجو ہوتی ہے، نہ چارہ گر کی ضرورت، نہ غذاء تقویت کی آرزو ہوتی ہے، نہ مونس غمگسار کی طلب، بقول شاعر:

درد ہو دل میں تو دوا کیجیے
دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجیے

بقول فانی یہ تو انتہائے عشق ہے:

دل سراپا درد تھا، وہ ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانی، درد اب دل ہوگیا

امیر مینائی تو یہ کہہ گئے، درد سے وفا کرتے کرتے غریب دل کب کا نکل گیا:

پہلو میں مرے دل نہ اے درد کر تلاش
مدت ہوئی غریب وطن سے نکل گیا

میر آہ کے شاعر ہیں، ویرانی دل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

دل کی ویرانی کا کیا مذکور
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

دل کی نگری کو لٹتے ہوئے دیکھنا، آہ نہ کرنا، دل لٹا کر محبوب کی آرزو پوری کرنا یہ بھی ایک حوصلہ ہے، حسرت موہانی مرحوم نے کہا ہے:

آرزو تری برقرار رہے
دل کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا

غم ہائے دل سے گھبرانا تو دور اس کے استقبال کا حوصلہ ہونا چاہیے، بقول محسن نقوی:

دل روز سجاتا ہوں میں دلہن کی طرح سے
غم روز چلے آتے ہیں بارات کی مانند

داغ دہلوی نے عاشق ومعشوق، محبّ محبوب، ستمگر وستم زدہ دونوں کے دلوں کا خوب فرق بیان کیا ہے:

تمہارا دل مرے دل کے برابر ہو نہیں سکتا
وہ شیشہ ہو نہیں سکتا یہ پتھر ہو نہیں سکتا

دل کو درد وغم سے یا راہ عشق میں کسی ستمگر کے ہاتھوں لٹنے سے نہیں بچایا جاسکتا، وہ تو کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی منزل پر کسی فتراک کا نخچیر بالآخر ہو ہی جاتا ہے، بقول امیر مینائی مرحوم:

ناوک ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا
درد اٹھ اٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانہ دل کا

ہاں کسی کو دل دے دینے کے بعد فرحت وانبساط لطف وکیف سے جھومنا، اور یہ سمجھنا کہ دیکر سب کچھ پالیا، جگر مرحوم نے یہ بھی اظہار کیا ہے:

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنادیا
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

دل کو اگر عشق حقیقی میں فنا کیا جائے، اور اسے محبت حقیقی کا عرفان نصیب ہوجائے، تو یہی وہ کمال ہے جس کے حصول کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے طاق دل میں صرف ایک ہی شمع روشن کرے، وہ صنم آشنا نہ ہو، ماسوائے حسن ازل ہر پرستش ومحبت سے حرم دل کو صاف رکھے، خواجہ محمد حسن مجذوب کس بے تابی سے فریاد کرتے تھے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

سچ تو یہ ہے کہ جس نے اپنے دل کو اسی محبت وفنائیت میں ختم کیا، عشق حقیقی میں لٹایا، محبت خدا کی وارفتگی میں دل وجان سپرد کردیا، اس کے لئے نہ محرومی عشق کا درد مقدر بنا، اور نہ ہی اس نے ناکامی پر آنسو بہائے، اس نے تو سب کچھ پالیا، اگر دل کو مادی عشق میں لٹایا تو مرزا نوشہ کی الفاظ میں انسان نکما بن گیا:

عشق نے غالب نکما کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اگر عشق حقیقی میں قربان کیا تو پھر دل کی تنویر، قلب وروح کے سکون، فکر وتخیل کی بلندی، عظمت کردار کا کیا کہنا، تن آساں عرشی، بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے، بقول مولانا احمد صاحب پرتاپ گڑھی:

عشق نے احمد مجلّی کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

پھر نام کا انسان کام کا انسان بن جاتا ہے۔

دل کی دو حیثیتیں ہیں، ایک تو دل کا مطلب خون وگوشت کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا جو ہر جاندار کے پہلو میں دھڑکتا ہے، دوسرے اس مراد وہ بے پایاں روحانی قوتیں، اور زبردست صلاحیتیں مراد ہیں جو اس قطعہ لحم وخون میں ودیعت کی گئی ہیں۔

پہلی حیثیت سے بھی دل جسم میں دست قدرت کی کرشمہ سازی اور خلاق ازل کی صناعی کا شاہکار ہے۔

ہر انسان کے جسم میں مستور گوشت کا یہ ٹکڑا حیرت انگیز مشین ہے جو پیدائش کے پہلے سے لیکر وقت موعود تک ہر آن چلتی ہے، اس کا وزن عموما مردوں میں 300 سے 350 گرام اور خواتین میں 250 سے 300 گرام ہوتا، یہ ایک منٹ میں 70 سے 100 مرتبہ دھڑکتا ہے، اور تقریبا 5 سے 6 لیٹر خون کو گردش میں لاتا ہے، اور رگوں کے پائپ لائن کے ذریعے پورے جسم کو خون سپلائی کرتا ہے، جن چھوٹی بڑی رگوں میں یہ خون دوڑاتا ہے ایک اندازے کے مطابق اگر ان کو کھول دیا جائے تو تقریبا اس کا طول 96000 کلو میٹر ہوگا، یہ حیرت انگیز طریقہ سے چوبیس گھنٹے بلا انقطاع کام کرتا ہے۔

دوسری حیثیت سے یہ زبردست قوتوں اور صلاحیتوں گنجینہ ہے، معرفت کا خزانہ ہے، خالق ازل نے اس میں بے پناہ قوت ودیعت کی ہے، وہ عہد الست کا راز داں اور نظام دہر کے رازوں کا امین ہے، اقبال مرحوم نے کہا تھا:

سینہ ہے ترا امیں اس کے پیام ناز کا
جو نظام دھر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے

یہ دل ہی کی شہنشاہی ہے کہ سب نے اسی کو محور بنایا، شعراء وادباء نے دل کی ترجمانی ہے، زھاد وصوفیاء نے اسی کو صیقل کیا، مفسدین وشر پسندوں، اخلاق باختہ تحریکوں نے اسی کے جذبات کو برانگیختہ کیا، مصلحین نے اسی کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا، میدان کارزار میں طبل جنگ ونقارہ کی چوب اسی کی جذبات کو شعلہ بناتی ہے، اسی کی قساوت نے سنگلاخ چٹانوں کو خون رلایا ہے، اس کی نرمی وگداز نے باد نسیم کو لطافت اور گلوں کو پیرہن عطا کیا، اس کے کرم وسخاوت نے سمندروں کو شرمندہ کیا، اس کی وسعتوں نے ساحلوں و صحراؤں کو حوصلہ دیا ہے، اس کے عزائم ولولوں نے طوفانوں کا رخ موڑا ہے، اس کے جذبہ طاعت اور سوز دروں نے فرشتوں کو انگشت بدنداں کیا ہے، حکمتوں کے سرچشمے اسی سے ابلتے ہیں، احساسات وجذبات کا وہی مخزن ہے، محبت وعشق نے اسی میں بسیرا کیا، شفقت ورحم لی نے اسی کے اندر آشیانہ بنایا، راز ہائے سربستہ کو اسی میں پناہ ملی، تجلیات والہامات کا نزول اسی پر ہوا، نور ایمان اسی میں جلوہ گر ہوا، شیطان نے گمراہ کرنے کے لئے اسی کی طرف راستے ڈھونڈے، ایک مشت خاک کے چھوٹے سے ٹکڑے کی ان قوتوں کے آگے انسان کی ساری قوت وفکر حیران ہے، اور خالق ازل کی صناعی پر رگ وریشہ سے بے ساختہ سبحان اللہ نکلتا ہے، غزالی نے عجائب القلوب میں کیا خوب لکھا ہے،" اعلم أن أشرف ما فی

الانسان قلبه، فانه العالم بالله، العامل له، الساعی إليه، المقرب المكاشف بما عنده، وانما الجوارح اتباع وخدام له استخدمها القلب استخدام الملوك للعبيد . ومن عرف قلبه عرف ربه"، فرمایا انسان کی سب سے زیادہ متاع عزیز دل ہے، اس لئے کہ وہی خدا کا عارف ہے، عمل وطاعت کا وہی محرک ہے، قریب کرنے والا اور حقائق کا ادراک کرنے والا ہے، اعضاء وجوارح اسی بادشاہ کے غلام ہیں، جن سے وہ اسی طرح کام لیتا ہے، جیسے شاہ غلاموں سے لیتا ہے، جس نے دل کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا" اس کے بعد امام غزالی نے کیا خوب کہا ہے "فمعرفة القلب وصفاته اصل الدين، واساس طريق السالكين" دل اور اس کی صفات کو جاننا، اس کی معرفت حاصل کرنا ہی دین کی اصل اور راہ سلوک کی اساس ہے " دل معرفت خداوندی کا خزینہ ہے، خدا ناشناس لوگ اپنے دل میں ودیعت کی ہوئی معرفت کو جھٹلاتے ہیں، نفس کے دلائل ربوبیت کا انکار کرتے ہیں، قرآن مجید نے اس راز سے پردہ اٹھایا، وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا، وہ آیات ربانی کا انکار کرتے ہیں محض ظلم وتکبر کی وجہ سے، حالانکہ ان نفس ربوبیت کے دلائل کا یقین رکھتے ہیں، جدید تحقیق کے بعض ملحدین ومنکرین خدا کی تحقیق کی گئی، ان کے سامنے ''اللہ'' کا نام لیا گیا، اور مانیٹر پر ان کے اعصابی نظام، دل کی دھڑکن، رگوں میں ارتعاشات کو دیکھا گیا، تو معلوم ہوا کہ اللہ کا نام سن کر ہی ان کی حرکت قلب تیز، اور دماغ کے عضلات ونظام دفعۃً پہلے سے زیادہ متحرک ہو جاتے ہیں، جس کا ادراک جسم کی باہری سطح پر انہیں محسوس نہیں ہوتا، مگر دل اور اندرونی نظام کے تاثر کو اسکرین پر پڑھا جا سکتا ہے، انسان کے جذبات واحساسات، اور اس کے لئے مؤثر عنصر دل اصل ہے یا دماغ، یہ اختلافی موضوع رہا ہے، جدید تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اصل دل ہے۔

Yale University and Hartman Institute California کی تحقیق کے مطابق ایک انسان کے دل کو دوسرے انسان میں منتقل کیا گیا تو صرف گوشت کا ٹکڑا نہیں منتقل ہوا، بلکہ جذبات واحساسات، عادت وذوق تک منتقل ہو گیا، جس کا دل منتقل ہوا اس کی سابقہ عادات میں تبدیلی پائی گئی، دل ایک انتہائی دقیق وغامض اور پیچیدہ جزء انسان ہے، وہ دماغ اور سوچ وتخیل پر مؤثر ہوتا ہے، دماغ دل اور اس کے نظام پر اتنا مؤثر نہیں ہوتا۔

جہاں تک آج علم وتحقیق کی رسائی ہوئی ہے قرآن کریم نے یہ اشارہ ہزاروں سال پہلے کر دیا تھا، لهم قلوب لا يعقلون بها، کہ ان کے دل ہیں جن سے وہ غور وفکر نہیں کرتے، " عقل " کی نسبت دل کی طرف کرنے میں بڑے راز پنہاں ہیں، اسی لئے دل کی سلامتی وصلاح پر پورے جسم کی سلامتی اور اس کے فساد پر پورے جسم کے فساد کا انحصار زبان نبوت نے فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں خدا تعالی نے دل کو جن صفات وامتیازات کے ساتھ ذکر کیا ہے، ان میں صفات محمودہ اور صفات مذمومہ دونوں کو ذکر کیا گیا ہے، اس کے چند اشارے درج ذیل ہیں، اسے ہم قرآن مجید میں دل کو مختلف انواع سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

۱۔ القلبُ السّليم :قلب سلیم

وہ دل جو کفر ونفاق ورذائل اخلاق سے خالی ہو، روز محشر جب کوئی چیز انسان کے لئے نفع بخش اور سامان نجات نہ ہوگی، یہی قلب سلیم ذریعہ نجات ہوگا، اس بازار میں صرف اسی جوہر کی قیمت ہوگی، ارشاد باری ہے اِلّا مَناَتی اللهَ بِقَلبٍ سَلِيمٍ (الشعراء : ۷۹)۔

اسی قلب سلیم کی طرف اشارہ ایک حدیث میں کیا گیا ہے، عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما قال : قال : لرسول الله صلى الله عليه وسلم اى النّاس افضلُ؟ قال: كلّ مخمومِ القلب ، صدوقِ اللسانِ .»قالوا:

صدوق اللسان نعرفه ، فما مخمومُ القلب ؟ قال : هو التّقيّ النّقيّ لا اثم فيه ، ولا بغي ولا غلّ ولا حسد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، سب سے بہتر وافضل انسان کون ہے؟ آپ نے جواب دیا، وہ شخص جو پاکیزہ دل و سچی زبان والا ہو، صحابہ عرض کیا کہ ہ، ہم صادق اللسان تو جانتے ہیں، پاکیزہ دل سے کیا مراد ہے، اپ نے فرمایا وہ شخص جس کا دل تقوی سے آراستہ ہو، آلائشوں گندگیوں سے پاک اور صاف وشفاف ہو، نہ گناہ کے خیالات ہوں، نہ ظلم کے جذبات، نہ کسی سے نفرت وعداوت ہو، اور نہ ہی حسد وجلن ہو۔

غور کیجئے تو ایک انسان کے اعلی کردار کی جامع ترجمانی اس قلب سلیم کی تشریح میں پنہاں ہے۔

۲۔ القلبُ المُنِیب : صفت انابت سے سرشار، ہمہ وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، اطاعت شعار دل۔

سورہ ق میں جنت کی نعمتوں، اوراس سے سرفراز ہونے والوں کی شناخت وصفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ (ق:۳۳) جو رحمٰن سے غائبانہ ڈرتے ہیں، اور اس کے حضور اطاعت شعار دل لے کرآتے ہیں، ان سے کہا جائے گا بہشت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ بقاء دوام کے فیصلوں کا دن ہے، جس دل میں جذبہ طاعت، خدا کی طرف رجوع وانابت، اخلاص وتقوی ہوگا، خلود وبقاء کے فیصلوں کے دن ان کی عزت افزائی کا سامان ہوگا، جنت کے باغوں میں داخلہ ملے گا۔

۳۔ القلبُ المُخبِت : صفت اخبات سے متصف دل، سورۃ الحج میں فرمایا گیا ہے، اور چاہئے کہ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا یہ جان لیں کہ وہ (قران) ان کے رب کی جانب سے اتارا ہوا فرمان برحق ہے، اوراس پر ایمان لائیں۔

فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبهم پس ان کے قلوب اس کے آگے پورے یقین واذعان، اور اطمئنان کے ساتھ جھک جائیں (الحج: ۵۴)

اخبات قرآن مجید کی خاص اصطلاح ہے، حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغۃ میں پورے دین کا خلاصہ چار چیزیں ذکر کی ہیں، طھارت، سماحت، عدالت، اخبات، شاہ صاحب کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ معارف الحدیث میں لکھتے ہیں، "اخبات کی حقیقت کے بارے میں جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے مختصر الفاظ میں اس کو اس طرح کہا جا سکتا ہے؛ تحیر اور خوف ومحبت کی کیفیات اور رضا جوئی وعنایت طلبی کے جذبہ کے ساتھ اللہ ذوالجلال والجبروت کے حضور میں ظاہر وباطن سے اپنی بندگی ونیاز مندی اور محتاجی اور رحمت طلبی کا اظہار ہے" بہرحال پیغام ربانی کے آگے پورے یقین وطمئنان، وثوق واعتماد، اخلاص وطلب، مکمل اطاعت کے ساتھ دل کو جھکانے کا جذبہ پیدا کرنے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے، اوراگلی آیت میں ایسے حق شناس اطاعت شعاروں کو صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کی بشارت بھی گئی ہے۔

٤۔ القلبُ الوجِل : خوف کھانے والا دل

ایسا دل جو اللہ کے خوف سے لبریز ہو، اللہ کی اطاعت وحسن عمل کے باوجود جو یہ خوف رکھتے ہوں کہ بارگاہ خداوندی میں ان کے اعمال مقبول ہوں گے یا نہیں، سورہ مومنون میں اہل ایمان کی صفات ذکر کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے۔

وَالّذِينَ يؤتُونَ مَا آتَوا وّقُلُوبهم وَجِلَةٌ أنهمإلىٰ رَبهم رَاجِعُونَ (المؤمنون:٦٠) اور وہ لوگ جو اللہ کے راستہ میں بقدر توفیق خرچ کرتے ہیں اوران کے دل خوف سے لرزتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونا ہے۔

٥۔ القلبُ التّقي : تقوی شعار خداترس دل

سورہ حج میں مناسک حج کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے۔

ذَلِكَ وَمَن يعَظِّم شَعَائِرَ الله فانها من تقوى القلوب (الحج:۳۲) جوشخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقوی اور خدا ترسی کی دلیل ہے، شعائر علامت کو کہا جاتا ہے، شعائر سے مراد بعض حضرات مناسک حج لیتے ہیں، بعض علماء نے فرائض واجبات کو شعائر کہا ہے، لیکن راجح بات یہ ہے کہ ہر وہ طاعت وعمل جو دین کی واضح نشانی ودلیل ہو، اطاعت خداوندی کی دلیل ہو وہ شعائر میں داخل ہے، اس آیت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے صرف دین اسلام اور فرائض وواجبات پر عمل ہی مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کی تعظیم واحترام بھی مقصود ہے، بلکہ دل میں جذبہ اطاعت کے ساتھ احترام وتعظیم دل کی خدا ترسی وتقوی کی دلیل ہے۔

٦۔ القلبُ المهدی : ہدایت یافتہ دل

جس دل میں اللہ پر ایمان ہو، اقلیم دل میں زہد وقناعت، تقدیر الہی پر صبر ورضا کی حکمرانی ہوتی، وہ ہدایت یافتہ ہے، یہ قرآن کی ضمانت ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَن يومن بالله يهد ى قلبه (التغابن:۱۱) جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، خدا اس کے دل کو ہدایت سے نوازتا ہے، ہدایت ربانی وہ جوہر کر ہے کہ جہاں سارے راستے مسدود ہوتے ہیں، وہی نور ایمان سے لبریز دل راہ پیدا کرتا ہے، جہاں شب دیجور کی تاریکی اس کے قلب بینا نگاہ بصیرت سے دیکھتا ہے، یہی نور ایمان دنیا سے آخرت تک رہنمائی کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا فرماتے تھے، اللهم انى اسئلك ايمانا يباشر قلبى... اے اللہ ایسا ایمان عطا فرما جو قلب میں پیوستہ وجاگزیں ہو۔

٧۔ القلبُ المُطئمَئِن : دل مطمئن

اطمئنان وسکون قلب وہ جوہر ہے، جس کی تلاش میں انسان سرگرداں ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے انسان کیا نہیں کرتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ سکون قلب ذکر الہی سے حاصل ہوتا ہے، یہ جوہر نہ بادشاہوں کے خزانوں میں ملتا ہے، اور نہ ہی سیم وزر سے خریدا جاسکتا ہے، ارشاد خداوندی ہے، وَتَطمَئِنُّ قُلُوبهم بِذِكرِ الله (الرعد:۲۸)۔

ان کے دل ذکر اللہ سے اطمئنان وسکون قلب حاصل کرتے ہیں، جس دل کو یہ نصیب ہوجائے اس دولت کونین مل گئی۔

٨۔ القلبُ الحيّ : زندہ دل:

جنت جہنم، اور خدا کی نافرمان قوموں پر عذاب کے تذکرے، عصیان ونافرمانی پر خدا تعالی کی گرفت کا بیان جس کے اندر خوف پیدا کردے، عبرت حاصل کرنے کا جذبہ بیدا کردے، اور اس چیز سے جس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو ایسے بابصیرت دل کو ہم زندہ کہہ سکتے ہیں، سورہ ق میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا

اِنّ فى ذَلكَ لَـذكرى لمن كان له قلب (ق:۳۷) بےشک اس میں سامان تذکیر ہے اس کے لئے جس کے پاس دل ہے، اس آیت میں دل سے مراد دل کی نگاہ اعتبار اور زندہ دلی مراد ہے، وہ صلاحیت مراد ہے جو انسان میں خوف واحتساب کے جذبات بیدار کرتی ہے، ورنہ صرف گوشت وخون کا ٹکڑا مراد نہیں، اگر دل کی یہ صلاحیت مردہ ہے تو قرآن ان انسانوں کو جانوروں سے بدتر قرار دیتا ہے۔

٩۔ القلبُ المَرِيض: مریض دل

قرآن کریم ایک ایسے دل کا ذکر کرتا ہے، جس میں بیماری ومرض ہو، مگر اس سے مراد ظاہری وبیماری نہیں، بلکہ نفاق وبدعملی، فسق وفجور کے جذبات کی بیماری ہے، منافقین کے تذکرہ میں فرمایا گیا فی قلوبهم مرض: ان کے دلوں میں مرض ہے۔

اسی طرح ازواج مطہرات کو پردہ وحجاب کے احکام دیتے ہوئے کہا ہے، کہ اگر دروازے کے باہر کوئی آواز دے تو لچک دار آواز میں جواب نہ دو، فيطمع الذى فى قلبه مرض (احزاب:۳۲) ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں مرض ہو اور وہ طمع کرنے لگے، یعنی آواز دینے والا ممکن ہے کہ فسق وفجور کے جذبات

کا مریض ہو، اور نسوانی آواز سن کر وہ بہک جائے، بہر حال قرآن اس کو دل کی بیماری سے تعبیر کرتا ہے۔

۱۰۔ القلبُ الأعمی : اندھا دل:

وہ دل جس میں نگاہ بصیرت نہ ہو، حقائق سے چشم پوشی، اور عبرت حاصل نہ کرنے کا مزاج ہو، قرآن ایسے لوگوں کے بارے میں کہتا ہے، ان آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (الحج:۴۶)۔

۱۱۔ القلبُ اللاھی : غافل دل

جس دل میں غفلت ہو، قرآن اور احکام الٰہی کو سننے اور اس پر کان دھرنے کے بجائے صرف سنی ان سنی کرنے کا مزاج ہو، آیات الٰہی سے استفادہ کے بجائے دنیاوی لہو ولعب سے دل بہلانے کی عادت ہو، سورہ انبیاء کے شروع میں اس کو ذکر کیا گیا ہے، مشرکین کے بارے گفتگو کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث إلا استمعوہ وھم یلعبون ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے کوئی نئی یاد دہانی کی بات نہیں آئی مگر وہ اس کو لا ابالی پن اور غیر سنجیدگی کے ساتھ کھیل تفریح کرتے ہوئے سنتے ہیں، پیغام ربانی اور آیات تذکیر کے اس غیر سنجیدہ واحمقانہ رویہ اور لا ابالی مزاج کی وجہ قرآن مجید نے یہ بتائی؛ لاھیۃ قلوبھم (انبیاء:۳) کہ دراصل ان کے دل غفلت شعار وغیر سنجیدہ ہیں، گویا آیات تذکیر سے فائدہ نہ اٹھانے اور پیغام الٰہی کے ساتھ یہ مزاج رکھنے والے افراد کو غفلت شعار دل سے تعبیر کیا ہے،

۱۲۔ القلبُ الآثم : گناہ گار دل

جان بوجھ کر حق اور سچی گواہی کو چھپانا ایک غیر شرعی وغیر اخلاقی عمل اور جرم ہے، جس کو قرآن اثم یعنی گناہ قرار دیتا ہے، جس گواہی سے کسی حق کو ثابت کیا جا سکتا ہے، کسی صاحب حق کو اس کا حق مل سکتا ہے اس کے چھپانے والوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ (بقرہ:۲۸۳) گواہی نہ چھپاؤ، اور جو اس کو چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہ کرنے والا ہے۔

۱۳۔ القلبُ المُتکبِّر : متکبر وگھمنڈی دل

جس دل میں خدا کی توحید اور اس کی اطاعت سے استکباری مزاج ہو، سورہ غافر میں اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے، الذین یجادلون فی آیات اللہ بغیر سلطان اتاھم، کبر مقتا عند اللہ وعند الذین آمنو، کذلک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار، جو لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں بے دلیل جھگڑا کرتے ہیں، یہ اللہ کے اور اہل ایمان کے نزدیک بڑی ناپسندیدہ بات ہے، اللہ اسی طرح ظالم ومتکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، اللہ کی توحید کے اقرار اور اس کی اطاعت کے بجائے ڈھٹائی اختیار کرنے اور بے جا حجت کرنے والوں کے بارے میں قرآن کا فیصلہ ہے کہ وہ متکبر وگھمنڈی دل رکھتے، جو انہیں حق کے اذعان وقبول سے محروم رکھتا ہے (غافر:۳۵)۔

۱۴۔ القلبُ الغَلیظ : تندخو اور سخت مزاج دل

جس دل میں محبت ورافت کا عنصر نہیں، مزاج میں تندخوئی وسختی، غلظت وشدت ہوتی ہے، نرم مزاجی وخوش گفتاری نہیں ہوتی، یہ بد اخلاقی تو ہے ہی، غلظت قلب کی دلیل ہے، داعیانہ مزاج کے لئے مضرت رساں ہے، وہ انسان کو لوگوں کے درمیان متنفر بنا دیتا ہے، قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے۔

ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولك (آل عمران:۱۵۹) اگر آپ بدخلق وسخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

جس دل میں محبت ورافت، حلقہ یاراں میں نرم خوئی، دلنوازی سخن نہ ہو، قرآن اس کو غلیظ القلب سخت دل سے تعبیر کرتا ہے۔

۱۵۔ القلبُ المَختوم قبول حق کی صلاحیت سے محروم مہر لگا

ہوا دل۔

جو لوگ اپنی شوئ اعمال، اور بدبختی کی وجہ سے قبول حق سے محروم ہو جاتے ہیں، اور پیہم جحو دوعناد کے نتیجہ میں ان دلوں میں یہ مرض اتنا بڑھ جاتا ہے، ان کی ضد وعناد اور کردار یہ ہوتا کہ اب کچھ بھی کیا جائے وہ قبول نہیں کریں گے، قرآن کریم ان کے حق میں تقدیر کے فیصلہ کو دل پر مہر لگا دینے سے تعبیر کرتا ہے، جیسے منافقین کے بارے میں کہا گیا، ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم، اللہ نے ان کے کانوں اور دلوں پر مہر لگادی، سورہ جاثیہ میں بھی ایسے قلب محروم اور بدبخت دل کے بارے میں ارشاد باری ہے وَخَتَمَ عَلى سمعه وقلبه (الجاثیہ:۲۳) اللہ نے اس کی سماعت ودل پر مہر لگادی ہے۔

۱۶۔ القلبُ القَاسی : سخت دل۔

یہودی قوم کیسخت دلی معروف ہے، اپنے جحو دوعناد، پیہم سرکشی، انبیاء کی مخالفت، نسبی فخر وغرور، سودخوری وحرام خوری، کتب سماویہ کی بے احترامی، پیغمبروں اور خدا تعالی کے ساتھ گستاخی، قتل وخون ریزی اور اپنے گناہوں کے پاداش میں بار بار عذاب الہی کا شکار ہونے کی وجہ سے ان کے اندر انکار حق، ضد وہٹ دھرمی دھوکہ دہی، جھوٹ وفریب، اور بدعملی کا جو خاص ذوق پیدا ہوا تھا قرآن اس کو سخت دل سے تعبیر کرتا ہے۔

وجعلنا قلوبهم قاسية (المائدہ:۱۳) ہم نے ان کے دلوں کو سخت کردیا، اب نہ وہ زجر وتوبیخ اور عذاب سے سمجھ سکتے ہیں، اور نہ کوئی خوش خبری ان کے لئے مفید ہوسکتی ہے، وہ پتھر دل ہیں۔

۱۷۔ القلبُ الغَافِل : غافل دل

جو ذکر الہی سے غافل ہو، قرآن اس کے دل کو غافل انسان کا دل کہتا ہے، حق یہ ہے انسان ہمہ وقت اللہ کو یاد رکھے، اپنے پروردگار کی یاد وطاعت سے کبھی غافل نہ ہو، سورہ کہف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے حکم دیا گیا ہے کہ۔

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا (الکھف:۲۸) اور تم اس انسان کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے، ذکر الہی سے غفلت اتنی خراب چیز ہے کہ ایسے غفلت شعار دل والوں کی مصاحبت وہم نشینی، ان کی بات سننا بھی اچھا نہیں ہے۔

۱۸۔ القلب الاغلف: بند دل

یہود کے بارے میں قرآن مجید نے یہ لفظ ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ وقالو قلوبنا غلف (بقرہ:۸۸) انہوں نے کہا کہ ہمارے دل بند ہیں، یہودیوں کی قبول حق کے مقابلےسختی قلب کا ذکر پہلے آچکا ہے، یہ ان کے دلوں کی دوسری تعبیر ہے۔

۱۹۔ القلبُ الزّائغ : کج رو دل

جن کے دل میں زیغ وضلال اور کجی ہوتی ہے، جو سیدھی وحق بات نہیں مانتے، بلکہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں، قرآن ان کے دل کے بارے میں کہتا ہے کہ ان میں کج روی وکج مزاجی ہے فاماالذین فی قلوبھم زیغ (آل عمران:7)۔

۲۰۔ القلبُ المُرِیب: شکی مزاج دل

قرآن کریم نے منافقین کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے، اور بتایا ہے کہ ان کے مزاج شکی ہوتے ہیں، بات دراصل یہ ہے کہ ان کے دل ریب وتذبذب کے بیمار ہیں: وارتابت قلوبهم (التوبہ:۴۵)۔

بہر حال ہم ای روشنی میں قرآن مجید میں مذکور دل کی مختلف صفات واقسام کو سمجھ سکتے ہیں، یہ سب دل کی اہمیت اور قرآن وسنت میں اس کے اعتناء کی واضح دلیل ہے، میں اپنی ان باتوں کو اقبال کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں:

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرمادے

☆☆☆

❑ نقد ونظر

خاندان کے تصور کا خاتمہ اور مغرب کی حالت زار

کمال اختر قاسمی
رفیق علمی-ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

مغربی نظریات وافکار نے معاشرہ پر جہاں بہت سے خوفناک اثرات مرتب کیے وہیں ادارہ خاندان کو تباہ و برباد کرنے میں زبردست کردار انجام دیا، مغربی معاشرہ میں خاندان کا تصور تقریبا ختم ہو چکا ہے۔ جبکہ دنیا کا ہر ذی ہوش انسان یہ تسلیم کرتا ہے اور یہی حقیقت بھی ہے کہ معاشرہ کی اہم بنیاد خاندان ہے، خاندان کے تصور کے بغیر معاشرہ کا وجود ممکن نہیں، ایک مشہور مغربی سوسیالجسٹ ''I.N.Robertson'' معاشرہ کی بنیادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کوئی بھی معاشرہ پانچ بنیادوں پر ہی وجود میں آ سکتا ہے، خاندان، نظام تعلیم، مذہب، ملک کا اقتصادی نظام اور ملک کا سیاسی نظام''(۱)

مغربی معاشرہ تعلیم، دولت اور مستحکم حکومتوں کی سرپرستی کے باوجود کلچر وثقافت اور تہذیب کے باب میں ہمہ نوع خرابیوں کا شکار ہوکر لاتعداد قباحتوں اور ان گنت جرائم میں مبتلا ہو چکا ہے، وہاں کے تمام طبقات حقیقی سکون سے یکسر محروم ہو رہے ہیں، اس صورتحال کا سب سے بڑا سبب مغرب کی پیچیدہ اور غیر مستحکم نظریات حیات ہیں، جن کی وجہ سے مغربی سماج کے اکثر طبقات میں خاندانی نظام کو غیر ضروری قید و بند تصور کیا جانے لگا، اور منظم تحریکوں کے ذریعہ خاندانی نظام کی شدید مخالفت کی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مغربی معاشرہ اور مغرب زدہ معاشروں میں ادارہ خاندان پوری طرح سکشت وریخت کا شکار ہے۔

BBC کی ۲۰ ہزار افراد سے گفتگو کے بعد شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق مغربی سماج میں صرف ایک چوتھائی گھرانے ایسے ہیں جہاں روایتی کنبے رہتے ہیں، باقی دو تہائی بغیر شادی کے اکٹھے رہتے ہیں، یا تنہا زندگی گزارتے ہیں،(۲)
انسانی سماج کے وہ لازمے جن پر خاندانی نظام کی بنیاد ہے مغربی معاشرہ میں نہ کے برابر موجود ہیں، مثال کے طور پہ:

رشتہ ازدواجیت

خاندان کی اہم بنیاد رشتۂ ازدواجیت ہے، صنعتی انقلاب کے بعد بے محابہ کثرت اختلاط، عریانیت، بے حیائی اور معاشی استقلال کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرہ میں انفرادیت خوفناک حد تک سرایت کر چکی ہے، جس کی وجہ سے وہاں رشتہ ازدواجیت کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی جارہی ہے۔

برطانیہ کی نیشنل ویمیز کونسل کی ایک خاتون رکن کہتی ہے:

''مغربی معاشرہ میں یہ خیال مضبوط ہوتا جارہا ہے کہ شادی کرکے شوہر کی خدمت کے جھمیلے میں کیوں پڑا جائے، بس پرلطف زندگی کو تعیش کے ساتھ گزارا جائے، بہت سی خواتین اب یہ فیصلہ کر چکی ہیں کہ ان کی بقا کے لئے مردوں کے سہارے کی قطعا بھی ضرورت نہیں ہے''۔(۳)

لیوان ریلیشن شپ کا فروغ

مغربی معاشرہ میں جہاں ایک طرف رشتہ ازدواجیت کو قید وبند اور شوہر کی طرف سے ذلت سمجھ کر ختم کیا جارہا ہے وہیں Live in

Relation کوتیزی کے ساتھ بڑھاوا دیا جارہا ہے، بلکہ Live in Relationship اور ہم جنس پرستی کورشتہ ازدواجیت کی جگہ اختیار کرلیا گیا ہے۔

امریکہ کی Health Development Agency نے ۲۰۰۳ء میں Teenage preganancy and parenthood کے عنوان سے ایک رپورٹ شائع کی جس میں کہا گیا کہ:

''امریکہ اور برطانیہ میں ۱۵ سالہ لڑکیوں کی ۲۵ فیصد تعداد رشتۂ ازدواجیت کے بغیر حاملہ ہوجاتی ہیں، جبکہ ۱۷ سالہ لڑکیوں کا تناسب ۵۰ فیصد ہے، اور ۲۰ سالہ لڑکیوں کا تناسب ۸۰ فیصد ہے۔ (۴)

مغربی تحقیقی ادارہ کے مطابق یہ تعداد اس صورت میں ہے کہ جبکہ یہاں مانع حمل کی گولیاں بڑی تعداد میں استعمال کی جاتی ہیں، امریکہ میں سالانہ ۱۰ لاکھ بالغ لڑکیاں حاملہ ہوکر ادویات استعمال کرتی ہیں، یہ تعداد کل کے مقابلہ میں ۴۰ فیصد ہے۔ (۵)

ایک سروے کے مطابق برطانیہ میں شادی کے باہر حاملہ ہونے والی لڑکیوں کی تعداد سالانہ ۲۰ ہزار ہے، ان میں ۸ ہزار ایسی لڑکیاں ہیں جن کی عمریں ۱۶ سال سے کم ہیں: اسکاٹ لینڈ اور ویلز کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ تعداد سالانہ ۶۰ ہزار سے تجاوز کر جائے گی اور شمالی آئرلینڈ میں سالانہ ۹۶ ہزار لڑکیاں بغیر شادی کے ماں بن جاتی ہیں۔ (۶)

ایک اور جدید تحقیقی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں سالانہ ۳/ لاکھ ستر ہزار عورتیں استقاطِ حمل کرواتی ہی، جن میں ۶۷ فیصد عورتیں غیر شادی شدہ ہوتی ہیں، برطانیہ اور ویلیز میں ۱/ لاکھ ۹۱ ہزار خواتین اسقاط حمل کرواتی ہیں، ان میں ۷۵ فیصد غیر شادی شدہ ہوتی ہیں۔ (۷)

فرانس کی صورتحال بھی اسی طرح ہے، نیشنل فرنچ انسٹیٹیوٹ فار ڈیموگرافک ریسرچ نے فرانس کے مختلف اسکولس، کالجز، یونیورسٹیز اور عوامی اداروں سے متعلق ایک سروے رپورٹ شائع کی، جس میں انکشاف کیا گیا کہ یہاں ہر دس جوڑوں میں نو جوڑے دینی یا عرفی نکاح کے بغیر زندگی گزرتے ہیں، اور آدھے سے زیادہ بغیر کسی قانونی ضابطے کے ایک ساتھ رہتے ہیں، اب صورتحال یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ۵۳ فیصد ولادتیں ایسے ہی جوڑوں کے یہاں ہوتی ہیں، اور مزید حیران کن بات یہ ہے کہ ان میں سے تقریباً دس ہزار بچیاں دس سے تیرہ سال کی عمر میں ہی ماں بن جاتی ہیں۔ (۸)

اسی رپورٹ میں کہا گیا کہ فرنچ انتظامیہ نے بڑی کوشش کے باوجود کم عمر ماؤں کی تعداد دس ہزار پر محدود کررکھی ہے، جس کے لئے انتظامیہ کو داد وتحسین سے نوازا گیا، انتظامیہ نے کم عمر ماؤں کی تعداد پر کنٹرول رکھنے کے لئے اسکولوں میں مانع حمل ادویات کے خصوصی میڈیکل اسٹورس کھول رکھے ہیں، اور ماہر نرسوں اور ڈاکٹروں کی خدمات بھی لی جاتی ہیں۔ (۹)

طلاق کی کثرت

انفرادیت اور مرد وعورت کے درمیان تعلقات کو محض جنسی نقطہ نظر سے اختیار کرنے کے نتیجہ میں نکاح کی اہمیت وضرورت کو تیزی سے ختم کیا جارہا ہے، اور نوجوان نسل کی اکثریت نکاح جیسے دائمی تعلق کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی ہے۔

اوپر کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ مغربی سماج میں ازدواجی تعلق کی کوئی وقعت باقی نہیں رہ گئی ہے، وہاں زیادہ تر لوگ آزادانہ طریقے سے ہی جنسی ضرورتوں کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہاں نکاح کی تعداد میں کمی کے باوجود طلاق کی شرح میں بے پناہ اضافہ ہوتا جارہا ہے، جنسی آزادی، انفرادیت اور دوسروں کو اپنی زندگی میں شریک نہ کرنے کے رجحانات کی وجہ سے معاشرہ میں مختلف سماجی خرابیوں کے ساتھ ساتھ طلاق کا سیلاب عظیم اُمڈ پڑا ہے۔

The statment yearlook 1991-1993 کے ایک سروے کے مطابق ۱۹۹۰ء میں امریکہ میں ۲۱ لاکھ باسٹھ ہزار (2162000) شادیاں ہوئیں جبکہ ۱۱/ لاکھ ستر ہزار (1170000) طلاقیں بھی ہوئیں۔

ڈنمارک میں ۳۰ ہزار آٹھ سو چورانوے شادیاں ہوئیں اور ۱۵ ہزار ایک سو باون (15152) طلاقیں ہوئیں، سوئزر لینڈ میں ۴۶ ہزار چھ سو تین شادیاں اور ۱۳ ہزار ایک سو تیس (13130) طلاقیں ہوئیں۔

Office of National statestic کے حوالہ سے پیش کردہ ایک رپورٹ کے مطابق انگلینڈ اور ویلز میں ۲۰۱۰ء کے اندر ۲ لاکھ ۴۱ ہزار ایک سو (241100) شادیاں جبکہ ایک لاکھ ۱۹ ہزار ۵ سو نواسی (119589) طلاقیں ہوئیں، اسی رپورٹ میں کہا گیا کہ آسٹریلیا میں ہر تیسری شادی طلاق پر منتج ہوتی ہے، جاپان میں صرف 2002ء میں دو لاکھ ۹۰ ہزار (290000) طلاقیں ہوئیں، یہاں ہر دو منٹ سے قبل ایک طلاق کا واقعہ پیش آجاتا ہے۔(۱۰)

اوپر کے اعداد وشمار سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مغربی معاشرہ میں شادی کی شرح جہاں پوری طرح گراوٹ کا شکار ہے وہیں طلاق کی شرح تین گناہ اضافہ کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

لاس اینجلس ٹائمز ۲۷ مئی ۱۹۹۶ء صفحہ A16 پہ شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۴ء میں یہاں 1.2 ملین شادیاں طلاق کی شکار ہوئیں، جو ۱۹۴۰ء کی تعداد کا تین گنا ہے۔(۱۱)

سویڈن میں ۶۵ فیصد شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں، امریکہ میں ۴۵ فیصد، جرمنی میں ۳۵ فیصد اور روس میں یہی تناسب ۳۳ فیصد ہے۔(۱۲)

سنگل پیرینٹس

نکاح کی تعداد میں شدید کمی، طلاق کی شرح میں تیزی سے اضافے اور معاشرہ کی اہم اکائی (خاندان) کے تتر بتر ہوجانے کے نتیجہ میں جہاں بہت سے سنگین بحران پیدا ہوئے ہیں وہیں سنگل پیرینٹس کا مسئلہ مغربی معاشرہ میں پورے زور وشور سے عام ہو گیا ہے، اور اب اس میں دن بدن خوفناک حد تک اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ برطانیہ کے قومی شماریاتی ادارہ۔ office of national statistic کے ذریعہ one parent families on the rise کے عنوان سے شائع شدہ ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ:

''برطانیہ میں صرف ماں یا صرف باپ کے ساتھ رہنے والے بچوں کی تعداد ۱۹۷۲ء کی نسبت ۲۰۰۷ء میں تین گناہ ہو چکی تھی، رپورٹ میں مزید بتایا گیا کہ ۲۰۰۶ء میں ماں باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنے والے بچوں کا تناسب برطانوی بچوں کی کل تعداد کی ایک چوتھائی تک پہنچ گئی ہے۔ جبکہ ان میں سے ۹۰ فیصد بچے صرف ماؤں کے ساتھ رہتے ہیں۔(۱۳)

اسی وجہ سے امریکی معاشرہ میں بھی سنگل پیرینٹس کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ US census beureo کی جانب سے نومبر ۲۰۰۹ء میں custodial mothers and fathers and thier child support 2007 کے عنوان سے ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی گئی، جس میں کہا گیا کہ ۲۰۰۷ء میں امریکہ کے اندر ۱۳۰۷ ملین خواتین اور مرد ۲۱۰۸ ملین بچوں کی تنہا والدین کی حیثیت سے پرورش کررہے تھے، صرف ماں یا صرف باپ کی نگرانی میں پرورش پانے والے بچوں کی تعداد اس وقت امریکی بچوں کی مجموعی تعداد کا ۲۶.۳ فیصد ہے۔ جبکہ تنہا والدین میں عورتوں کا تناسب ۸۴ فیصد ہے اور مردوں کا تناسب ۱۶ فیصد ہے۔

سنگل پیرینٹس کے خوفناک اثرات

سنگل پیرینٹس کے معاشرہ میں نہایت سنگین اثرات مرتب ہو رہے ہیں، خاص کر سنگل پیرینٹس کے تحت پرورش پانے والے بچے جرائم ومنشیات سے لے کر ہر طرح کی مجرمانہ سرگرمیوں میں بکثرت ملوث ہوجاتے ہیں۔

National centre for Health statistic کے 1998 کے جائزے کے مطابق Single parents خاندانوں کے بچے ان پر مکمل توجہ نہ ہو پانے کی وجہ سے اسکول کی تعلیم سے محروم رہتے ہیں، اکثر منشیات کے عادی ہوجاتے ہیں، اور لڑکیاں زندگی کی دوسری دہائی میں ہی حاملہ ہوجاتی ہیں۔(۱۴)

Kristin Kettering hom کی تحقیقی رپورٹ میں کہا گیا کہ:

''یہ دیکھا گیا کہ Single parent گھروں میں پرورش پانے والے نوجوان دوسرے نوجوانوں کی بنسبت تین گنا زیادہ ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں، اسی طرح امریکہ میں Single parentوالے گھرانے مجرمانہ سرگرمیوں میں بھی زیادہ ملوث پائے گئے، جن میں ۲۷ فیصد ٹین ایج قتل اور ۶۰ فیصد ریپ جیسی مجرمانہ سرگرمیوں میں مبتلا ہیں۔(۱۵)

آسٹریلیا کے مشہور آن لائن اخبار The Age کے نیشنل سکیورٹی کرسپنڈینٹ National security) اور تجزیہ نگار (correspondent، David wroe کے Single parent children more at risk عنوان سے ایک جائزہ رپورٹ میں مغربی معاشرہ پرسنگل پیرینٹس کے سنگین اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Children growing up in single parent housholds are twice as likly to sufer a mental illness, commit suicide or devlop an alcohal-related disease then children who liv with both parents.

The risk of drug abuse was found to be three times higher in girls and four times in boys from single parents houses.(۱٦)

یعنی ایسے بچے جو سنگل پیرینٹس کے تحت پرورش پا رہے ہیں ان میں ذہنی بیماریوں خودکشی یا منشیات سے ہونیوالی بیماریوں کا شکار ہونے کا تناسب ماں اور باپ کے سایہ میں پرورش پانے والے بچوں کے مقابلہ میں دوگنا ہوتا ہے۔

سنگل پیرینٹس گھروں میں پرورش پانیوالی لڑکیوں میں منشیات کے استعمال کا تناسب تین گنا اور لڑکوں میں چار گنا زیادہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ سنگل پیرینٹس (اکیلے مرد یا عورت) پر مشتمل خاندان میں غربت و بے روزگاری کی شرح بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔

جرمن ایکیوئیل ویلفیئر ایسوسی ایشن کے مطالعہ کے مطابق ۲۰۱۳ء میں جرمن میں ۱۲.۵ ملین افراد غریب تھے، جن کی تعداد میں اب کئی گنا اضافہ ہوگیا ہے، رپورٹ میں بتایا گیا کہ جرمنی کے ساٹھ فیصد سنگل پیرینٹس بے سہارا اور غریبوں میں شمار ہوتے ہیں۔(۱۷)

☆☆☆

کتابیات ومراجع

(۱)سوسیالوجی کی بنیادی اساس،ص:۲۰

(۲)(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، یہ ہے مغربی تہذیب،طبع میٹرو پرنٹر لاہور، بیت الحکمۃ لاہور،۲۰۰۷،ص۵

(۳)(ہفت روزہ تکبیر ۴/ستمبر۱۹۹۷ء)

(۴)www.hda-online.org.

(۵)www.womenshealthchamnal.com/teenpragnancy

(٦) US Tody June 3,2003, Study Links: Depression Suicide-rates to teen sex

(۷) www.care.org.uk, Abortion statistics Fact Sheet 2005, www.agi0us.org, abortion statistics, England & weels,2003

(۸)المجتمع،کویت،۲۳صفر،۱۴۲۱ھ

(۹)حوالہ سابق

(۱۰)Hifungton post + Bertania Available online: تعلیم اور طلاق www.express.pk/story/26802:

(۱۱) Availabel online: calvarchopel.com/library/divorce statistic.html 15 march 2002

(۱۲)بحوالہ مجلّہ البیان:لندن اپریل،مئی،۲۰۰۰ء

(۱۳)BBC.com,11apr 2007

(۱۴) Available online: calvarychapel.com/library/divorce statistci.html 15 march 2002

(۱۵) Available online: www.yahoo.com/kristin kettring hom 2006 the us census Beoreu

(۱٦) The Age,25 january 2003 Available online: www.theage.com.au/articles/2003/01/24411042911549349.html

(۱۷)www.app.com.pk/ud

☆☆☆

❑ پیغام

ایک مردِ حق آگاہ کا پیغام، علماء ہند کے نام

(مصر کی جیل سے مشہور عالم ڈاکٹر صلاح سلطان کی ایمان افروز تحریر)

نوٹ: اس مضمون کی جامعیت وافادیت کے پیشِ نظر اس کو ماہنامہ "**الفرقان**" بابت جون ۱۷ء سے اس کے شکریے کے ساتھ من وعن نقل کیا جارہا ہے، امید ہے کہ قارئین اس مضمون سے بہت کچھ حاصل کریں گے۔ (مدیر)

شیخ صلاح سلطان کا تعلق مصر سے ہے، آپ کا شمار عالم اسلام کے ان مشہور ومقبول علماء میں ہوتا ہے جو امت کی اصلاح کے لیے ہر لمحہ بے قرار نظر آتے ہیں، علم وبصیرت، جوش خطابت اور جذبہ دعوت تینوں نے مل کر آپ کی شخصیت کو بہت عظیم بنادیا۔ بچپن میں انتہائی غربت کے عالم میں کھیتوں میں کام کر کے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور ایک وقت آیا کہ دارالعلوم قاہرہ کے ممتاز پروفیسر قرار دئے گئے۔ ایک طرف علم وتحقیق کے میدان میں زبردست خدمات انجام دیں تو دوسری طرف دنیا بھر میں تعلیم وتربیت اور دعوت واصلاح کے بہت سے مراکز قائم کئے، اور بہت سے ماہرین تیار کئے۔ آپ کی پچاس سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اور ہر کتاب سے اصلاح امت کا جذبہ جھلکتا ہے۔ کئی کتابوں کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ شوہر اور بیوی کے خوش گوار تعلقات کے موضوع پر ایک دل نشیں کتاب کا ترجمہ "محبت کی کنجیاں" کے نام سے ابھی حال میں شائع ہوا۔

مصر میں صدر مرسی کی حکومت بنی تو آپ کو مصر کی المجلس الاعلی للشوون الاسلامیه کا ذمہ دار بنایا گیا، اور آپ نے اس مجلس کے تحت تعمیر ملت کے بہت شان دار منصوبے بنائے، لیکن اللہ کو آپ کی آزمائش مقصود تھی چنانچہ جب مصر میں فوجی بغاوت ہوئی تو آپ کو جیل میں بند کر دیا گیا۔ اور اس وقت سے اب تک آپ جیل میں شدید تعذیب کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

عزم وہمت کی داد دیجئے کہ تمام تر اذیتوں اور تکلیفوں کے باوجود دل کی تڑپ اور بیقراری ہے کہ بڑھتی ہی جارہی ہے، چنانچہ جیل میں رہتے ہوئے قرآن مجید کی ایسی تفسیر کا پروگرام بنایا جس کا مقصد تزکیہ نفس ہو، اور تین سو سے زائد صفحات میں سورہ یوسف کی تفسیر مکمل کر لی۔ ساتھ ہی احادیث کی ایسی ہی شرح لکھنے کا پروگرام بنایا اور حضرت ابی بن کعب کے واقعہ کی کئی سو صفحات میں ایک تربیتی شرح رقم فرمائی۔ الحمدللہ جیل کے اندر یہ مبارک سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔

نوجوان علماء کی تربیت کے مقصد سے آپ کا ہندستان بھی متعدد بار سفر ہوا، آپ کو ہندستان کے علماء اور مسلمانوں سے بے حد قلبی لگاؤ رہا ہے، آپ کا یقین ہے کہ ہندستان دعوت دین کے لئے اہم ترین سرزمین ہے، اور اگر یہاں دعوتی کوششیں کامیاب ہوجائیں تو اس سے پوری دنیا میں بڑی زبردست تبدیلیاں آسکتی ہیں۔ یہ خط بھی اسی جذبے اور تمنا کا اظہار ہے۔

یہ پیغام اسلامی فقہ اکیڈمی کے حالیہ چھبیسویں سیمینار کے لئے ۲۰ فروری ۲۰۱۷ء کو لکھا گیا، اس خط میں فقہ اکیڈمی کے سلسلہ میں نیک جذبات، اعلی خواہشات اور مفید مشورے بھی شامل تھے، جنہیں طوالت سے بچنے اور پیغام کی عمومیت برقرار رکھنے کی خاطر حذف کر دیا گیا ہے۔ (مترجم)

جیل کی تاریک کوٹھری سے میرا یہ پیغام سرزمین ہند کے ہر بزرگ اور ہر نوجوان عالم کے نام ہے، جیل کا ذکر قرآن مجید میں دس مرتبہ ہوا ہے، اور ہر مرتبہ صرف اور صرف مصر کی جیل کا تذکرہ ہوا ہے۔ اور جب بھی ہوا ہے کھلے ہوئے ظلم کی علامت کے طور پر ہوا ہے۔ یہ درست ہے کہ جیل کے اندر میں اور میرے ساتھی ہولناک ترین اذیتوں سے گزر رہے ہیں، یہ بھی صحیح ہے کہ ہماری تصویر مسخ

کرنے کی ساری کوششیں کی جا رہی ہیں، یہاں تک کہ میرے بارے میں ان لوگوں نے یہ بھی پھیلا دیا کہ میں ان دس لوگوں میں ہوں جنہیں دنیا ہی میں جہنمی ہونے کا پروانہ مل چکا ہے، (اللہ کی پناہ)۔ پر خدائے ذوالجلال کی قسم، جس سے مجھے اتنی محبت ہے کہ میری زندگی اور زندگی کی ساری امنگیں اس کی محبت سے معمور ہیں، اس وقت میں اپنے پیارے رب کی مدد سے خود کو دنیا کی ساری طاقتوں اور سارے مجرموں سے زیادہ طاقتور پاتا ہوں، جب میری پیٹھ پر کوڑے برستے ہیں تو مجھے یہ پڑھتے ہوئے لطف آتا ہے۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون إن كنتم مومنين (آل عمران)

"اور پست ہمت نہ ہو اور غم نہ کرو، اور اگر تم مومن ہو تو غالب رہوگے۔"

میرے خلاف پھانسی کی سزا کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے، سالہا سال سے مجھے تاریک کوٹھری میں رکھا گیا ہے۔ وما نقموا منهم إلا أن يومنو بالله العزيز الحميد (البروج)

''اور انہوں نے ان پر محض اس وجہ سے ستم ڈھائے کہ وہ خدائے عزیز وحمید پر ایمان لائے''

مگر اس سب کے باوجود میری اپنے مہربان رب سے قربت، علم کے سمندر میں غواصی، خودی کی بلندیوں میں پرواز اور اللہ کی رضا اور جنت کی طرف اڑان میں اضافہ ہی ہوا، امت کو قرآن وسنت کے پرچم تلے جمع کرنے، انسانوں اور قوموں کو غیر اللہ کی بندگی سے پاک کرنے، صہیونی غاصبوں اور ان کی پشت پناہی کرنے والے سارے اسلام دشمنوں سے مسجد اقصی، قدس اور فلسطین کو آزاد کرانے کی سمت قدم ہیں کہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ میرے دل میں گہرا یقین ہے کہ اللہ ہم سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

فانتقمنا من الذين اجرموا، وكان حقا علينا نصر المومنين (الروم)

''تو ہم نے ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے جرم کیا، اور اہل ایمان کی نصرت ہم پر لازم ہے''۔

میں اس وقت جب کہ آپ لوگوں کے نام یہ پیغام لکھ رہا ہوں، مجھے صرف چالیس سینٹی میٹر کی جگہ ملی ہوئی ہے، سخت ٹھنڈک سے میرا جسم تھر تھر کانپ رہا ہے، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے کچھ بھی گرمی کا احساس مل سکے، تاہم میرے پاس اللہ کی محبت ہے، اور اللہ واسطے کی آپ لوگوں سے محبت ہے، قلب وروح کی گرمی کے لیے یہ کافی ہے۔

سرزمین ہند کے میرے عزیز ترین اور پر وقار علماء کرام، میں تین بار اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس روئے زمین پر غزہ کے میرے بھائیوں کے بعد اگر کسی سرزمین کے لوگوں سے مجھے ملنے کا شدید اشتیاق رہتا ہے تو وہ آپ لوگ ہیں، یہاں کے بزرگ اور نوجوان علماء کی صحبت میں سعادت کا جو احساس ملتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، میرے پاس اس تعلق خاطر کے بہت سے ثبوت ہیں، میں دو ثبوت پیش کروں گا۔

پہلا ثبوت: آخری دفعہ جب اپنی عزیز فقہ اکیڈمی کے مدراس میں ہونے والے پروگرام میں شرکت کر کے واپس لوٹا تو میرے ایک عزیز نے فون کر کے پوچھا، کیا ڈاکٹر صلاح ہندستان سے واپس آ گئے ہیں، میری اہلیہ نے جواب دیا: ''ابھی مسجد نماز کے لیے گئے ہوئے ہیں، تھوڑی دیر بعد ان سے بات ہو سکے گی، ویسے وہ ہندستان سے واپس آئے نہیں ہیں، ان کا دل ابھی وہیں پر ہے، وہ صرف جسم کے ساتھ آئے ہیں، ان سے ملاقات کے وقت ان کی اس کیفیت کا خیال رکھنا۔''

دوسرا ثبوت: سب سے پہلی بار جب اپنی عزیز فقہ اکیڈمی کے پروگرام میں ہندستان جانا ہوا، تو چالیس گھنٹوں کا سفر کر کے واشنگٹن سے دہلی پہنچا تھا، موسم کی خرابی کی وجہ سے سفر کی طوالت بھی بڑھ گئی تھی، اور تکان بھی۔ لیکن جب میں وہاں پہنچا اور علماء اور نوجوانوں کے ذوق وشوق کو دیکھا، تو ساری تکان دور ہو گئی، اور جب میں اسٹیج پر پہنچا تو میرا جسم، دماغ اور میرا دل سب تازہ دم

تھے، غرض ایسی بہت سی قیمتی یادیں ہیں، دلی، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے کیرلا تک جو دل کو بہت لطف دیتی ہیں۔

سرزمین ہند کے میرے پیارے بزرگ اور نوجوان علماء کرام مجھے اجازت دیں کہ میں ان فکروں اور ان امنگوں میں آپ کو شریک کرسکوں، جنہوں نے مجھے بے چین اور بے تاب کر رکھا ہے، ان سب کو سمیٹنا چاہوں تو سارا مدعا اس میں سمٹ آتا ہے، کہ مــــن أنصاری الی الله کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا دست و بازو بنے، اور انہیں پھیلاؤں تو تفصیل اس طرح ہے:

پہلی فکر: انفرادی سطح پر ہر ایک عالم کے لیے: ہم چاہتے ہیں کہ ہماری راتیں تہجد اور ہمارے دن حصول علم کی جدوجہد سے آباد رہیں، ذکر و شکر، گریہ وزاری، دعا واستغفار، اور خوف ورجا کی کیفیت سے ہمارے شب و روز رنگین رہیں۔

إن الذین اوتو العلم من قبله اذا یتلی علیهم یخرون للاذقان سجدا، ویقولون سبحن ربنا إن کان وعد ربنا لمفعولا، ویخرون للاذقان یبکون ویزیدهم خشوعا، (اسراء)

''وہ لوگ جنہیں اس کے پہلے سے علم ملا ہوا ہے جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار، بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ شدنی تھا۔ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے گرتے ہیں اور یہ ان کے خشوع میں اضافہ کرتا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس اللہ سے لو لگانے والا دل ہو، اللہ کا ذکر کرنے والی زبان ہو، جدت و تخلیقیت والا دماغ ہو، ہمارے اخلاق محسنین والے ہوں، ہمارے جسم مجاہدین والے ہوں، ہماری خاموشی غور و فکر والی ہو، ہمارے پاس دیدہ عبرت نگاہ ہو، اور ہماری گفتگو ذکر سے عبارت ہو، ہم چاہتے ہیں کہ ہم مقربین کے مقام پر فائز ہونے کے لئے کوشاں رہیں، تاکہ ہماری زندگی ان مسلمانوں کے لیے نمونہ بن جائے جو اصحاب الیمین کے زمرے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جن کے لئے رب کریم نے یہ الفاظ چنے ہیں:

وقال الذین اوتو العلم والایمان کونوا ربانیین "ورحمة وعلما، حکما وعلما"۔

ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے ہم بے نیاز ہو جائیں، اور اس کا حق ادا کرنے کی فکر کریں جو رب دو جہاں نے ہمیں عطا کیا ہے۔ یرفع الله الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت، (المجادلة) اللہ ان لوگوں کے جو تم میں سے اہل ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے، مدارج بلند کرے گا۔

ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری سیرت و شخصیت میں قرآنی اخلاق اور رسول پاک کی سیرت کا پرتو دیکھیں، ہم ان کے لئے قابل تقلید نمونہ بن جائیں۔ وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس (الانعام) ''اور ہم نے اسے ایک روشنی بخشی جسے لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہے''۔

ہم بے سمت اور بے ہدف مطالعات کے بجائے منظّم سنجیدہ اور بامقصد مطالعہ کو اپنا شعار بنائیں، چھلکوں سے سرسری واقفیت تک محدود رہ جانے کے بجائے جڑوں کا گہرا علم حاصل کریں۔ تاکہ ہم الراسخون فی العلم کا مصداق ہو جائیں۔

ہم اس مقام پر پہونچ جائیں جس کا ذکر اس ارشاد رسول میں ہے کہ:

مثل ما بعثنی الله به من الهدی والعلم کمثل غیث أصاب أرضا فکان منها نقیة قبلت الماء فأنبتت الکلأ والعشب الکثیر۔

''اللہ نے مجھے جس ہدایت اور علم کے ساتھ مبعوث کیا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر موسلا دھار بارش ہوئی ہو، اس زمین کا ایک حصہ زرخیز پانی قبول کرلے اور وہاں خوب خوب چارہ اگ جائے۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو وحی کو قبول کرلیتا ہے،

اور دماغ کی جولانیوں کو وحی کی رفعتوں کے ساتھ ہم آہنگ کر دیتا ہے، تو پھر حکمت و معرفت کے درخت نشونما پاتے ہیں، پھول کھلتے ہیں اور پھل آتے ہیں۔ تجدیدی کوششیں ہوں یا تخلیقی کاوشیں ہوں ان کی اصل بنیاد وحی الہی کو ہونا چاہیے، جس طرح زندگی کی اساس پانی ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیء حی (الانبیاء)

دوسری فکر، خاندان کی سطح پر:

ہم بھر پور کوشش کریں کہ ہم میں سے ہر عالم دین اس ارشاد رسالت کا پیکر بن جائے، کہ ''تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہو، اور تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لئے بہترین میں ہوں''۔ ہر لحاظ سے بہترین رویہ اختیار کریں، دل کی محبت ہو، ذہن کی ہم آہنگی ہو، یا جسم کی قربت ہو، ضروری ہے کہ ہم سب سے بہتر رہیں۔ ہم آگے آئیں عورتوں کو انصاف دلانے کے لئے اور انہیں عزت ورفعت والا مقام دلانے کے لئے نہ کہ محض زیادہ طاقت وقوت والا مقام کہ سیکولرزم کے علم بردار اور اقوام متحدہ کے ادارے جس کے داعی اور علم بردار ہیں۔ ہم سب لوگوں سے زیادہ کوشش کریں اس بات کی کہ عورتوں کو ان کے مادی، معنوی اور علمی تقاضوں اور ان کی جسمانی صحت کے لحاظ سے ایک سازگار اور باعزت زندگی گزارنے کا حق حاصل رہے۔ ہم اس دل دہلا دینے والی شرمناک صورت حال کو بدلنے کے لئے آگے آئیں، جس کا اعتراف پندرہ دسمبر ۲۰۰۶ء کو ملک کے وزیر برائے امور اطفال ونسواں نے کیا تھا کہ گذشتہ بیس سالوں کے درمیان ایک کروڑ لڑکیاں اپنے والدین کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتاری جا چکی ہیں۔ ہندستان کے علماء کو چاہئے کہ وہ سب سے آگے بڑھ کر لڑکی کو پیدائش سے پہلے ہی زندہ درگور کرنے کے ظالمانہ رجحان کے خلاف آہنی دیوار بنیں، وہ جہیز کی غلط رسم کو ختم کرنے کا تہیہ کریں، کیوں کہ اس کی کوکھ سے بہت سے خطرناک قسم کے خلاف شرع امور جنم لیتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم سب سے آگے برھ کر آواز بلند کریں کہ عورتوں کو بحیثیت انسان کے سارے حقوق حاصل ہوں، یہ ملحوظ رکھتے ہوئے کہ مرد کا مقام بھی مجروح نہ ہو، مرد بحیثیت قوام شورائیت کے ماحول میں اپنی ہر ذمہ داری ادا کرے، نہ تو کوئی کسی پر بوجھ بنے اور نہ کوئی کسی پر برتری اور خدائی جتائے۔

تیسری فکر: سماجی سطح پر:

ہمارے سماج میں ایک دوسرے سے قربت بڑھے، اور سماج کا شیرازہ مضبوط ہو، اس کے لئے جدوجہد کرنا ہماری ذمہ داری ہے، ہمارے تعلقات اپنے عزیزوں رشتے داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ نمونہ کی حد تک مضبوط ہوجائیں، غیر مسلموں کے ساتھ ہمارے تعلقات کے لئے یہ ارشاد باری سدا ہمارے سامنے رہے:

لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین (الممتحنۃ)

''اللہ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنھوں نے دین کے معاملے میں نہ تم سے جنگ کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

یاد رہے کہ کائنات کا نظام تین بنیادوں پر چل رہا ہے، ایک دوسرے کو سہارا دینا، ایک دوسرے کو صلہ دینا اور ایک دوسرے کی حفاظت کرنا۔ زمین کو توانائی کی ضرورت ہوتی ہے، اور سورج یہ ضرورت بلا معاوضہ پوری کرتا ہے، اس میں سبق ہے کہ اس طرح مالدار لوگ محتاجوں کی کفالت کریں، دوسری طرف پودوں اور انسانوں میں سامان زندگی کا تبادلہ ہوتا ہے، انسان کا جسم ان سے اوکسیجن لیتا ہے تو بدلے میں انہیں کاربن ڈائی آکسائڈ دیتا ہے، ہمارے درمیان بھی لین دین کی بنا عدل پر ہونی چاہئے۔ یہ بھی تو سوچئے کبھی تنہائی میں ذرا دنیا سے ہم نے کیا لیا، دنیا کو کیا دیا؟؟؟

پھر ہم یہ بھی دیکھیں کہ اس کائنات میں تمام زندہ اشیاء ضرر رساں چیزوں کو ایک دوسرے سے دور کرنے کا کام بھی کرتی ہیں، تو ہم پر بھی واجب ہوتا ہے کہ ہم ہر ظالم کا ہاتھ پکڑیں، اور ہر سرکش کا

راستہ روکیں:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی، یعظکم لعلکم تذکرون، (النحل) ''بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا اور روکتا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم یاددہائی حاصل کرو''۔

تکافل، تبادل اور تدافع، ان تینوں بنیادوں کے بنا معاشرے کی عمارت استوار نہیں ہوسکتی ہے۔

چوتھی فکر، وطن اور ریاست کی سطح پر:

لازم ہے کہ ملک کی تعمیر میں ہمارا رول لا دین دھاراؤں اور پارٹیوں سے بھی زیادہ نمایاں ہو، وہ وطن دوستی اور اس کے تقاضوں کی تجارت کرتے ہیں، اور انہیں بازار سیاست میں نیلام کرتے ہیں، ہم اپنی جدوجہد اور اپنی اپروچ سے ایک زندہ ثبوت پیش کریں کہ ہم دین اسلام کے بھی وفادار ہیں، اور جس وطن میں ہم جیتے ہیں، اس کے بھی سب لوگوں سے زیادہ وفادار ہیں، پنچایت سے لے کر پارلیمانی انتخابات تک اور سرکاری عہدوں اور مناصب کے ہر مقابلے میں پوری قوت اور سنجیدگی کے ساتھ شریک ہوں، اور اس پوری جدوجہد میں ہمارے پیش نظر مسلمانوں سے پہلے ملک کے تمام لوگوں کا فائدہ رہے۔ ہم پانچ اصولوں کو مضبوطی سے تھام لیں اور انہیں اپنا شعار بنالیں:

عبادت صرف اللہ کی۔ خبر گیری سارے انسانوں کی۔ تعمیر پوری زمین کی۔ قانون کی بھرپور پابندی اور حکومت کے ساتھ پورا تعاون (ان تمام امور میں جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہوں) علماء کی ذمہ داری ہے کہ فکر وشعور اور دعوت وتحریک میں پوری امت کے آگے آگے چلیں، تا کہ امت کی راہ روشن رہے، اسے اکثریتی دھارے میں ضم ہوجانے سے بچایا جاسکے، اور شہادت حق کی عظیم ذمہ داری ادا کرنے کی طرف اسے آگے بڑھایا جائے۔

میں اسے اشد ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمان ایک ٹھوس منصوبہ بنائیں جس کے مطابق جلد وہ دن آئے جب ہندوستانی مسلمانوں میں ناخواندگی کے بالکلیہ ختم ہوجانے کا جشن منایا جائے۔ یہ وہ نشانہ ہے جسے حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کی ضرورت ہے، اس کے لئے کمربستہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوں، جب تک تکلیفوں اور مشقتوں سے گزر نہیں ہوگا، علم نہیں آئے گا، اور جب تک علم کی قوت ودولت حاصل نہیں ہوگی دنیا کی امامت نہیں ملے گی، یہ اللہ کا قانون ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اکیسویں صدی میں ان پڑھ ہونے کا مطلب صرف یہ نہیں ہوتا کہ آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا ہے، بلکہ کمپیوٹر سے ناواقفیت بھی ناخواندگی شمار ہوتی ہے، کمپیوٹر اس دور کی زبان ہے۔ مکمل طور سے ناخواندگی مٹانے کی اس مہم کو ہماری ترجیحات میں سب سے اول مقام ملنا چاہئے، ہماری اپروچ یہ ہو کہ اللہ نے جس بات سے پہل کی ہے، ہم بھی اسی سے پہل کریں گے، اللہ پاک نے پوری وحی کا آغاز اس سے کیا ہے اقرا باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرا وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم یعلم (العلق) اس حقیقت کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یوں بیان کیا کہ اللہ نے علم کو عمل سے پہلے رکھا ہے، امام بخاری نے اسی حقیقت کو ایک باب کا عنوان بنایا ہے۔

پانچویں فکر، امت مسلمہ اور پوری دنیا کی سطح پر: ہم قرآن وسنت کی صراحت کے مطابق ایک امت ہیں، وخونوا عباد اللہ اکوانا ''اور اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی بن جاؤ، اسے یقینی بنانا ضروری ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا رشتہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی اسلامی امت سے قائم اور مضبوط رہے، اسلام کی حیثیت مسلمانوں کے درمیان ایک رشتے کی ہے، جس سے سارے مسلمان ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ہم بچپن سے یہ اشعار دوہراتے رہے ہیں:

یـا أخـي فـي الهـنـد أو فـي الـمغرب
أنــا مـنك أنــت مـنـي أنــت بـي
لا تسـل عـن عـنـصـري عن نسبـي
انـــه الاســـلام أمـــي و أبـــي

''میرے بھائی، تم ہندستان کے ہو یا مراکش کے، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ میری نسل اور میری نسب کے بارے میں مت پوچھو، میں اسلام کا بیٹا ہوں، وہ میری ماں اور میرا باپ ہے۔''

اچھی طرح سمجھ لیں، کہ امت کے مسائل کا اصل محور جس کے گرد سارے مسائل گھوم رہے ہیں، وہ مسجد اقصی، بیت المقدس اور فلسطین کا ایشو ہے، اس ایشو پر جھوٹ کی دھول تہہ در تہہ بٹھائی جا رہی ہے، تا کہ حقیقت پروپیگنڈے کے شور میں گم ہو جائے، اس دھول کو ہٹانے کے لئے سوچا سمجھا علمی رویہ اور اپروچ اختیار کرنا لازم ہے، امت کی قوت ادراک سن ہوگئی ہے، اسے بیدار کرنا ضروری ہے، دل کے اندر ایمانی بنیادوں کو تازہ کرتے رہنا بھی ضروری ہے کیوں کہ اللہ کی مدد صرف اہل ایمان کے لیے آتی ہے، ہمدردوں اور مددگاروں کو اکٹھا کرنا اور ان کی تعداد بڑھانا بھی مطلوب ہے، هو الذي أيدك بنصره وبالمؤمنين، ''وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین کے ذریعے سے تمہاری مدد کی'' میڈیا کی طرف بھی بھرپور توجہ دی جائے، تا کہ ہم ہر اس مسلمان بلکہ ہر اس انسان تک پہونچ جائیں جو حق اور انصاف کی خاطر اٹھنے کے لئے آمادہ ہو، ارض مقدس کی بازیابی کے لئے جہاں سے ساٹھ لاکھ فلسطینی باشندوں کو ملک بدر کر دیا گیا، مسجد اقصی کی حفاظت کے لئے جو قبلہ اول اور حرم ثالث ہے، اس مقصد کے لئے سیاسی محاذوں پر بھی اپنی موجودگی کو بڑھایا جائے، تا کہ اس قضیہ کو بین الاقوامی سطح کے ہر فورم میں اٹھایا جا سکے۔ اس سب کے ساتھ جہاد و شہادت کے مقامات بلند پر پہنچنے کے لئے بھی خود کو تیار رکھیں، کیوں کہ بیت المقدس کی آزادی کا ایک ہی راستہ ہے، وہی راستہ جسے صلاح الدین ایوبی، سیف الدین قطز، اور سلطان العلماء العز بن عبدالسلام نے اختیار کیا تھا۔ میں آپ سے خدا واسطے التجا کرتا ہوں کہ مسجد اقصی اور اس کی آزادی کا ایشو ہر تقریر ہر کانفرنس پر گفتگو اور محاضرے میں شامل رکھیں، ہر مجلّہ، ہر اخبار اور چینل پہ اسی پر چرچا ہوتا کہ مسجد اقصی کی آزادی کے متوالوں سے اور ان کی گونج سے ساری دنیا بھر جائے، اس کام کے لئے آگے بڑھنا ایک عظیم شرف ہے، جس کے لئے اللہ اپنے خاص بندوں کا انتخاب فرماتا ہے، پس ہندستان کے عوام اور ہندستان کے علماء سب آگے بڑھیں اور بیت المقدس کے بچوں اور عورتوں کی پکار، غزہ اور رام اللہ کے مردوں کی ندا اور قید میں اسیر مسجد اقصی کی صدا پر سب سے آگے بڑھ کر لبیک کہیں۔

چھٹی فکر، اکیڈمیوں اور تحقیقی اداروں کی سطح پر: میری تمنا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی فقہ اکیڈمی اور اس جیسے دیگر علمی اور تحقیقی ادارے درج ذیل محاذوں پر خاص توجہ دیں:

(ا)۔اسکولوں کے بچوں سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و طالبات تک ہر جگہ اعلی صلاحیت کے دماغوں کو تیار کیا جائے کہ وہ ان اداروں کی صورت میں ان ربانی اور نورانی سلسلوں کے سچے امین بنیں، جن کے آغاز کی توفیق اللہ نے ان کے خوش نصیب بانیوں کو عطا کی۔ شاعر کی زبان میں:

اذا سيـد مـنـــا خـــلا قـــام سيـد
فـؤول لـمـا قـال الكرام ام فعول

''ہمارے درمیان سے ایک سردار کی جگہ خالی ہوتی ہے، تو دوسرا سردار آجاتا ہے، عظیم لوگوں جیسی باتیں اور ان کے جیسے کارنامے انجام دینے والا''۔

آنے والی نئی نسلیں اپنی بزرگ نسلوں کے علم و فضل سے اچھی طرح فیض یاب ہوں، شرعی نصوص کا فہم، زمانے اور حالات سے آگاہی، شرعی نصوص سے اپنے حالات میں رہنمائی لینے والا شعور

وتفقہ، خاص احکام کے خاص دلائل اور شریعت کے عام مقاصد و اہداف کے درمیان ہم آہنگی کی جستجو، حال کو دیکھیں اور مستقبل کو بھانپ لینے کی صلاحیت، ترجیحات کا شعور اور نفس انسانی سے واقفیت، اور پھر جدید ترین اور تیز ترین وسائل سے آگاہی کہ جن کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پیغام کی رسائی ہو سکے۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله (آل عمران) ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے، معروف کا حکم دیتے ہو منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

(۲)۔ اسلامی فقہ، اس کے اصولوں کے قواعد اور اس کے مقاصد کو ان کے اصل مقام یعنی ایمان و اخلاق کی آغوش میں لوٹانا ہے، ایسا لگے کہ گویا یہ سب چھوٹی بڑی کشتیاں ہیں جو اللہ کی محبت، اس کی خشیت، اس کے احکام کی تعظیم، اور اس کے مقام کی تقدیس کی ندیوں دریاؤں اور سمندروں پر رواں دواں ہیں۔ مکمل جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ پورے دین میں کوئی ایک بھی فقہی حکم ایسا نہیں ہے جو ایمان کی گرمی اور اعلی اخلاق کی خوشبو سے خالی رکھا گیا ہو، کسی چیز میں اختصاص کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے باقی سب سے کاٹ کر بالکل الگ تھلگ کر دیا جائے، ایک طبیب کسی عضو کا علاج اسے جسم سے بالکل الگ کر کے نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ عضو اپنی ساری رگوں کے ساتھ جسم سے جڑا رہتا ہے، بالکل اسی طرح فقہ کا ایمان و اخلاق سے رابطہ اور اتصال پوری طرح برقرار رہنا چاہئے۔ اور اسی بنا پر فقہ کے اصول، اس کے قواعد اور اس کے مقاصد کے میدان میں بھی وسعت لانا ضروری ہو جاتا ہے، تاکہ اس علم کے تحت صرف فقہی احکام والے نصوص ہی نہ رہیں بلکہ دین و شریعت کے سارے نصوص اس میں شامل ہو جائیں۔ اصول فقہ کے مناہج ہی ان شدید ضربوں سے امت کی حفاظت کر سکتے ہیں، جنہوں نے امت کو ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے، اور ہمیں ایسا بنا دیا ہے کہ ہمارا سارا زور آپس ہی میں ایک دوسرے پر چلتا ہے۔ میں نے جیل کی زندگی میں ہی اس سلسلے میں کچھ علمی کام کر لئے ہیں، میری ایک تازہ کتاب ہے سورہ یوسف کی اصولی اور مقاصدی تفسیر، اور دوسری کتاب ہے حضرت کعب کی حدیث کی اصولی اور مقاصدی تشریح۔

(۲)۔ ضروری ہے کہ فقہ و فکر، اصول و مقاصد اور تحریک و دعوت کے تمام مکاتب و مشارب کے درمیان علمی رابطے کو مضبوط کیا جائے، ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون، تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کرتے، جبکہ وہ ان کی طرف لوٹتے کہ وہ بھی احتیاط کرنے والے بنتے''۔ کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے، ہمارے علمی اور تحقیقی ادارے اس بات کے داعی بن جائیں کہ معرفت کے دائرے کو وسیع کیا جائے، اتنا کہ فقہ و فکر کے تمام مسالک اور تحریکی و دعوتی حلقوں سے وابستہ تمام بڑے علماء کی اجتہادی کوششوں کی صحیح قدر ہو سکے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ ندوی اور شیخ قاسمی کے علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ اہل علم و تحقیق کے سامنے علامہ شاطبی، شیخ طاہر بن عاشور، شیخ قرضاوی، شیخ غزالی، شیخ علوانی، شیخ ریسونی، شیخ شنقیطی، شیخ بن باز اور شیخ زرقا کی کوششیں بھی رہیں، اور شیخ افغانی، شیخ محمد عبدہ، شیخ حسن البنا، شیخ سید قطب، شیخ مالک بن نبی، اور شیخ مودودی کی کاوشیں بھی رہیں۔ غرض ہر مکتب فکر اور ہر فکری جہت کے اہل علم کی علمی تحقیقات سے ہم بھرپور طرح سے فیض حاصل کریں۔ اس وقت اسلام کے خلاف شدید قسم کی معرکہ آرائی کے لئے مشرق و مغرب کے سارے طائفے یک جٹ ہو گئے ہیں، ایسے میں اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہماری ایک وحدت ہو، اور ہم فکری اور تحریکی ہر دو سطح پر ایک دوسرے سے قریب سے قریب تر ہو جائیں، یہ ایک شرعی فریضہ تو ہے ہی، حالات کا ضروری تقاضا بھی ہو گیا ہے، **اس سلسلے میں اللہ کے سامنے سب سے پہلے ان ارباب**

قیادت کو جواب دینا ہوگا جن کے ہاتھوں میں امت اسلامیہ کی علمی فکری اور تحریکی باگ ڈور ہے۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا، إن الله مع الصابرين، (الانفال) ''اورآپس میں تفرقہ نہ کرو، کہ تم ناکام ہوجاؤ اورتمہاری ہوا اکھڑ جائے اور ثابت قدم رہو۔ بے شک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے''۔

میرے بہت عزیز اور بہت عظیم علماء کرام، میں معافی چاہوں گا اگر بات طویل ہوگئی ہو، واقعہ یہ ہے کہ جب شوق کے جذبات امنڈ کرآتے ہیں، تو ہزاروں صفحات کم پڑجاتے ہیں، اور تکلیفیں جتنی بڑھتی ہیں امیدیں بھی اتنی ہی کروٹیں لیتی ہیں۔

جتنی جتنی ستم یار سے کھاتا ہے شکست
دل جواں اور جواں اور جواں ہوتا ہے

میرے اور آپ کے درمیان کئی طویل برسوں سے دوریاں حائل ہیں، لیکن مجھے قوی امید ہے کہ جلد ہی اللہ کے حکم سے ظلم کی زنجیریں ٹوٹیں گی اور زنداں کے دروازے کھلیں گے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ کسی قریبی سیمینار یا مجلس میں ہماری ملاقات ہوگی، اس وقت میری گفتگو کا ایجنڈا وہ دوموضوعات ہوں گے جو مجھے دن رات مشغول اور بے چین رکھتے ہیں۔

اول: اصول اور مقاصد کے علم کی تجدید، اوراس کے لئے پہلے تطبیقی کاوشیں اورآخر میں نظریہ سازی کے ذریعہ اس علم کی تکمیل۔

دوم: فلسطین، بیت المقدس، مسجد اقصی اورسارے قیدیوں کی رہائی، ان مردان کار کے ذریعہ جن کے بارے میں کہا گیا ہے: رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه۔ ''وہ مرد جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا'' شاعر کے الفاظ میں:

قالوا انزل فكنت أول نازل
وعلام أركبه اذا لم أنزل

''انہوں نے پکارا، اترو میدان میں، تو سب سے پہلے اترنے والا میں تھا، اوراگر میدان میں اترنے کا جذبہ نہیں ہوتا تو گھوڑے پر سوار ہی کیوں ہوتا۔

اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ سب کو اپنی امان میں رکھے، اس کی امان میں کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی، اورآپ سے التماس کرتا ہوں کہ زمین وآسمان کے رب کے حضور بہترین دعائیں اور پاکیزہ تمنائیں کرتے رہیں، کہ وہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کرے، قید وبند کا خاتمہ ہو اور خوشیوں کا دور چلے، امت پر سے کمزوری اورمحکومی کا موسم خزاں رخصت ہو اور شوکت واقتدار کی بہاریں لوٹ آئیں، غاصبوں کے تسلط کی سیاہ رات ہر جگہ سے ختم ہو، اورعزت وسربلندی کی صبح طلوع ہو۔ اورہم سب اللہ کے وعدے کے سزاوار ہوجائیں۔

وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم، وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا، يعبدوننى لا يشركون بى شيئا، (النور)

''اللہ کا وعدہ ہے تم لوگوں سے، جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کئے، کہ ان کو ملک مین اقتدار بخشے گا، جیسا کہ ان لوگوں کو اقتدار بخشا جوان سے پہلے گزرے، اوران کے لئے ان کے اس دین کو متمکن کردے گا جس کو ان کے لئے پسند کیا''۔

ويقولون متى هو قل عسى ان يكون قريبا۔

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کب ہوگا؟ کہہ دو کہ عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہی آپہنچا ہو''۔

والسلام

آپ سب سے اللہ کی خاطر محبت کرنے والا

صلاح الدین سلطان

☆☆☆

❑ احکام و مسائل

صوتی آلودگی سے متعلق چند شرعی احکام

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
جنرل سکریٹری: مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ

عصر حاضر میں صوتی آلودگی بھی ماحولیات کا اہم مسئلہ ہے، یہ آلودگی بھی انسان کے لیے کچھ کم مضرت رساں نہیں، صوتی آلودگی شور شرابے اور غیر معتدل آواز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، صوتی آلودگی پر قابو پانے کے لئے اسلام کی زریں تعلیم یہ ہے کہ آواز نکالنے میں بھی اعتدال ہو اور موقع محل اور ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا مذموم عمل ہے، حضرت لقمانؑ کی نصیحت قرآن مجید نے ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

"واغضض من صوتك إن أنكر الاصوات لصوت الحمير" (لقمان:۱۹) (اور اپنی آواز کو پست رکھ، بے شک سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے)۔

مذکورہ آیت سے یہ معلوم ہوا کہ حلق پھاڑ کر آواز نکالنا کہ لوگوں کے کانوں پر گراں گذرے، جائز اور درست نہیں ہے۔ اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ ہر حال میں بقدر ضرورت آواز نکالی جائے جیسا کہ رسول کریم ﷺ ایک رات گشت کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے گذرے ہوا تو دیکھا کہ وہ نہایت پست آواز میں نماز ادا کر رہے تھے اور جب حضرت عمرؓ کے پاس سے گذر ہوا تو دیکھا کہ بلند آواز کے ساتھ قرأت کر کے نماز ادا کر رہے ہیں۔ صبح جب دونوں حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ تم رات نہایت پست آواز کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے، اس پر حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول میں جس ہستی سے ہم کلام تھا، اسے سنا دیا" پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم رات خوب بلند آواز سے نماز ادا کر رہے تھے، تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "میں ایسا اس لئے کر رہا تھا کہ سوتے کو بیدار کروں اور شیطان کو دھتکاروں"۔ دونوں کے جواب سننے کے بعد آپ ﷺ نے اعتدال کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: "اے ابو بکر! اپنی آواز کچھ بلند کرو، اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: اے عمر! اپنی آواز کچھ پست کرو"۔

مذکورہ اسلامی تعلیمات و ہدایات پر آج اگر دنیا عمل کر لے تو ماحولیات کے تحفظ اور صوتی آلودگی کی روک تھام کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم صوتی آلودگی سے متعلق جو سوالات اکیڈمی سے موصول ہوئے ہیں ان کا ترتیب وار جواب تحریر کر رہے ہیں۔

سوال نمبر ۱ کا جواب: پر شور مشین آبادی سے باہر نصب کی جائیں:

کارخانے کی وہ مشینیں جو بہت پر شور ہوتی ہیں ان کو آبادی کے اندر نصب کرنا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے، بیمار لوگوں کو الجھن ہوتی ہے بزرگوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی کے کسی عمل سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ قرآن میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے "لا یظلمون ولا یظلمون" اور فقہاء نے شریعت کی اسی روح کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے: "لا ضرر ولا ضرار" لہذا اگر حکومت کی طرف سے کمپنی والوں کو یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ کارخانے آبادی سے باہر لگائیں جائے جائیں، تو شرعاً اور قانوناً حکومت کی اس ہدایت پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ اس کی خلاف ورزی کی صورت میں حکومت کوئی سخت فیصلہ لے سکتی ہے اور قانونی

کارروائی کرسکتی ہے۔حکومت کے بنائے ہوئے قانون عموماً عوام الناس کی بھلائی ہی کے لئے ہوتے ہیں،قانون کا احترام اور قانون کی بالا دستی ملک وقوم کے استحکام کے لیے پہلی اور بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ چیز عنقا ہوتی جا رہی ہے، لوگ دھڑلے سے قانون توڑتے ہیں،اور اس قانون شکنی پر کسی کو ندامت ہوتی ہے،نہ ضمیر ملامت کرتا ہے۔

دلائل:

(۱)۔ جوقوانین اورسرکاری ضابطےقرآن وحدیث کے کسی حکم سے نہیں ٹکراتے اورشرعی قوانین سے متصادم نہیں ہوتے ان کی پابندی شرعی اعتبار سے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، چاہے حکومت خواہ کتنی بری ہو؛ لیکن ایسے احکام، بالخصوص وہ احکام جو مصلحت عامہ کے تحت بنائے گئے ہیں ان کی تعمیل ہر باشندے کا فرض ہے۔دارالامن اوردارالعہد کے مسلمانوں پربھی حکومت کے بنائے گئے ان مصلحتی قوانین پرعمل کرنا ضروری ہوگا؛ جوشرعی قوانین اور عائلی قوانین کےخلاف نہ ہوں؛ بلکہ جن کا مقصد صرف ماحول اور نظم ونسق کوبہتر بنانا ہو۔

(۲)۔ جوقوانین حکومت کی طرف سے عمومی مصلحت کے لیے بنائے جائیں،ان کی پابندی شرعی اعتبار سے بھی واجب ہے، اوران کی خلاف ورزی ناجائز ہے،قرآن کریم میں ارشادِخداوندی ہے،أطيعوا الله وأطيعو الرسول وأولی الامر منكم (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے ذمہ دار حاکموں کی اطاعت کرو)۔

اس اطاعت سے مرادیہی ہے کہ حکام عمومی مصلحتوں کی بنیاد پر جو قاعدے مقرر کریں (بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں) ان کی پابندی کی جائے،اس پابندی کا حکم اللہ اوررسول کی اطاعت کے ساتھ دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے قواعد اور قانون وضوابط کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہوجاتی ہے۔

(۳)۔ اسلامی فقہ کی کتابوں میں یہ اصول اور ضابطہ لکھا ہے کہ عام راستوں پر چلنا اورکوئی سواری چلانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ چلنے والا دوسروں کی ''سلامتی'' کی ضمانت دے، یعنی ہرایسے کام سے اجتناب کرے جوکسی دوسرے شخص کے لئے تکلیف یا خطرے کا باعث بن سکتا ہو،اس احتیاط کے بغیر اس سڑک کا استعمال ہی جائز نہیں جوتمام باشندوں کی مشترکہ ملکیت ہے،اوراگر اس کی بے احتیاطی کے نتیجہ میں کسی شخص کوکوئی جانی یامالی نقصان پہنچ جائے تو اس کا سارا تاوان شرعی اعتبار سے اس شخص کے ذمہ عائد ہوجاتا ہے جس نے بے احتیاطی برتی ہے،کارخانہ کی پرشور مشینوں کے مسئلہ کو جس میں حکومت کی طرف سے ان کو آبادی کے باہر لگانے کی ہدایت ہوتی ہے اس صورت پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۴)۔ "لا تفسدوا في الارض بعد إصلاحها" حکومت کے بنائے ہوئے نظام اورقوانین وضوابط کی خلاف ورزی اوراس قسم کی بےقاعدگی درحقیقت"فســاد فـي الارض" کی تعریف میں آتی ہے۔اورسینکڑوں انسانوں کوصوتی آلودگی میں مبتلا کرنے اورعوام الناس کوکرب وعذاب میں مبتلا کرنے کا گناہ اس پر ہوگا جوحکومت کے بنائے ہوئے قانون کوتوڑے گا۔

سوال نمبر۲ کا جواب: ہارنوں کی آواز کی حد کیا ہو؟

ہارنوں کی آواز کی بھی ایک حد ہونی چاہیے کیوں کہ ہارنوں کی ضرورت سے زیادہ تیز آواز سے جہاں ایک طرف صوتی آلودگی پیدا ہوتی ہے، وہیں دوسری طرف اس مکروہ اور بے ہنگم آواز سے راہ گیروں کو دہشت ہوتی ہے، ہارٹ کے مریضوں کو اس سے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔بعض لوگ اس میں افراط وتفریط سے کام لیتے ہیں، یہاں تک کہ ایمبولینس میں لگا جانے والے سائرن کی طرح ہارن لگاتے ہیں جو قانونا جرم بھی ہے۔لہذا احقر کی رائے میں جولوگ غیرضروری ہارن بجاتے ہیں یا جولوگ اپنی گاڑیوں میں ضرورت سے زیادہ تیز آواز کا ہارن استعمال کرتے ہیں یا حکومت نے جو خاص ہارن ایمبولنس وغیرہ میں لگانے کی اجزات دی ہے، اس کواستعمال کرتے ہیں، یہ ازروئے شرع جائز نہیں ہے، یہ قانون کی خلاف ورزی بھی ہے اور دوسروں کی تکلیف کا ذریعہ بھی۔اس لئے اگرحکومت ایسے لوگوں کے خلاف کوئی قانون بناتی ہے یا اس پر

جرمانہ عائد کرتی ہے تو حکومت کو اس کا پورا حق حاصل ہے، حکومت اس سلسلے میں جو قانون اور ضابطہ بنائے اور جس گاڑی کے لیے جس ہارن کے استعمال کی اجازت دے اس پر عمل کرنا عوام الناس کی ذمہ داری ہوگی۔ حکومت کو خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف تعزیری سزا جاری کرنے کا پورا حق ہے۔

دلائل:

(۱)۔ ظلم صرف یہ ہی نہیں کہ کسی کا مال چھین لیا جائے، یا اسے جسمانی تکلیف پہنچانے کے لئے اس پر ہاتھ اٹھایا جائے بلکہ عربی زبان میں ''ظلم'' کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "وضع الشيء علی غیر محله" کسی بھی چیز کو بے جا استعمال کرنا بھی ظلم ہے۔ چونکہ کسی چیز کا محل اور ضرورت سے زیادہ استعمال یقیناً کسی نہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا موجب ہوتا ہے، اس لیے ہر ایسا استعمال ظلم کی تعریف میں داخل ہے، اور اگر اس سے کسی انسان کو تکلیف پہنچے تو وہ شرعی اعتبار سے گناہِ کبیرہ بھی ہے۔

(۲)۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ سے ایک موقع پر شکایت کی کہ ایک واعظ صاحب ان کے گھر کے سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کہتے ہیں اور اس سے یکسوئی میں فرق پڑتا ہے، ان صاحب کی آواز بہت ہی بلند ہے، ان کی آواز کے سامنے مجھے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ حضرت عمرؓ نے ان صاحب کو پیغام بھیج کر انہیں وہاں وعظ کہنے سے منع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ پھر شروع کر دیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود جا کر ان صاحب کو پکڑا اور ان پر تعزیری سزا جاری کی۔ (اخبار المدینہ لعمر بن شبہ جلد ا ص ۱۵، بحوالہ ذکر وفکر از تقی عثمانی مدظلہ العالی صفحہ ۲۷)

(۳)۔ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، علم تفسیر وحدیث میں ان کا مقام مسلم ہے، ان کا مقولہ ہے کہ ''عالم کو چاہئے کہ اس کی آواز اس کی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے'' (أدب الاملاء والاستملاء للسمعانی ص ۵)

(۴)۔ آپ ﷺ حضرت عمرؓ کے پاس سے گذرے، وہ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ بلند آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں سوتے کو جگاتا ہوں، اور شیطان کو بھگاتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اپنی آواز کو تھوڑا پست کر دو۔ (مشکوۃ جلد ا ص ۱۰۷)

(۴)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت جب تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی کے ساتھ اٹھتے تھے تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو۔

ان روایات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت نے دوسروں کو تکلیف سے بچانے کا کتنا زیادہ اہتمام کیا ہے؟ جب قرآن کی تلاوت اور وعظ ونصیحت جیسے مقدس کاموں کے بارے میں بھی شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ ان کی آواز ضرورت سے زیادہ نہیں بڑھنی چاہیے، تو گانا بجانے اور ہارن وغیرہ کے ضرورت سے زیادہ استعمال کی گنجائش کیوں کر ہوسکتی ہے؟

سوال نمبر ۳ کا جواب: DJ کی بے ہنگم آواز اور شریعت کا حکم:

DJ مزامیر میں شامل ہے، اور مزامیر کا بجانا از روئے شرع حرام ہے، لیکن یہاں مزامیر کے استعمال یعنی گانا بجانا اور اس کا سننا اس پہلو سے گفتگو مقصود نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے پہلو سے اس کے شرعی حکم کو دریافت کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ DJ کا شور اور بے ہنگم آواز انسان کی سماعت اور ماحول کے لیے نقصان دہ ہے، اس لئے اس کے ضرر کو دیکھتے ہوئے اس کا بجانا اور شادی بیاہ یا خوشی کے مواقع پر اس کا استعمال از روئے شرع درست نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اس سے ماحول متأثر ہوتا ہے، انسان کی سماعت پر براہ راست اس کا منفی اثر پڑتا ہے، اس کی آواز سے دل کے مریضوں کو سخت بے چینی اور گھبراہٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دل کی بیماریاں اور ہارٹ کے امراض اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے حکومت کو خواہ وہ اسلامی حکومت ہو یا جمہوری حکومت اس پر غور کرنا چاہیے اور اس پر پابندی لگانا چاہیے۔ اور اگر برادران وطن اس کو شادی بیاہ اور غم واندوہ کے موقع پر مذہب کا ایک حصہ مانتے ہوں تب بھی اس کے لئے حدود و

قیود اور شرائط طے کر دینے چاہئیں۔ اس سوال کے جواب کے دلائل جواب نمبر۲ میں تفصیل سے دئے گئے ہیں اور جواب نمبر۴ میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔

دلائل:

(۱) قرآن مجید میں متعدد جگہ بے ہنگم آواز نکالنے سے منع کیا گیا ہے اور بطور خاص اس کی تاکید کی گئی ہے اور بے ہنگم آواز نکالنے کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے، سورۂ حجرات میں اہل ایمان کو نبی، اور رسول ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ اب اس آیت کے مصداق علماء اور وارثین انبیاء ہیں۔ علماء اور اہل علم نے لکھا ہے کہ جہری اور سری دنوں طرح سے دعا کرنا جائز ہے لیکن سری دعا کرنا شریعت میں زیادہ مطلوب ہے اور دین و شریعت کے مزاج و مذاق کے موافق ہے۔ اس کی دلیل علماء نے ادعوا ربکم تضرعاً وخفية سے دی، غور کرنے کا مقام ہے کہ دعا جو کہ عبادت کا مغز ہے اور اللہ کے سامنے اپنی محتاجی کا اظہار ہے، وہاں بھی شریعت نے آواز کی نرمی اور پستی کا حکم دیا ہے۔

(۲)۔ بے ہنگم اور مکروہ آواز کا براہ راست آلۂ سماعت پر اثر پڑتا ہے، بسا اوقات سماعت کے پردے پھٹ جاتے ہیں اور انسان قوتِ سماع سے محروم ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی مرحوم نے "واغضض من صوتك إن انكر الاصواب لصوت الحمير" کی تفسیر کرتے ہوئے بڑی عمدہ بات لکھی ہے:

"اى لا ترفع صوتك فيما لا فائدة فيه، وخفضه، فان شدة الصوت توذى آلة السمع، وتدل على الغرور و الاعتداد بالنفس وعدم الاكتراث بالغير، واعتدال الصوت أوقم للمتكلم، وأقرب لاستيعاب الكلام ووعيه وفهمه، وقد علل النهى عن رفع الصوت بانه يشبه صوت الحمير فى علوه ورفعه، وإن أقبح الاصوات لصوت الحمير وهو بغيض إلى الله تعالىٰ، والسبب أن أوله زفير وآخره شهيق، وفيه دليل على ذم رفع الصوت من غير حاجة لان التشبيه بصوت الحمار، يقتضى غاية الذم، وقد ورد فى السنة أيضاً ما يدل على التنفر منه، روى الجماعة إلا ابن ماجه عن أبى هرهرة رضى الله عنه عن النبى ﷺ قال: اذا سمعتم صياح الديكة فاسئلوا الله من فضله واذا سمعتم نهيق الحمير، فتعوذوا بالله من الشيطان فانها رأت شيطاناً" (التفسير المنير الجزء:٢ سورة لقمان)۔

اس آیت سے مستنبط فقہی مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الزحیلی مرحوم لکھتے ہیں۔

"كما يندب إليه عدم التكلف فى رفع الصوت، والتكلم حسب الحاجة والمعتاد، فان الجهر بأكثر من الحاجة يوذى، والمراد بذالك كله التواضع، وقد شبه رفع الصوت الزائد عن الحاجة بصوت الحمير، الحمار ونهاقه مثل فى الذم البليغ والشتيمة۔ وفى الآية دليل على تعريف قبح رفع الصوتِ فى المخاطبة بقبح أصوات الحمير، لأنها عالية۔ والآية أدب من الله تعالىٰ بترك الصياح فى وجوه الناس تهاوناً بهم، او بترك الصياح حملة، وقد نهى الله عنه لانه من أخلاق الجاهلية وعاداتها، فقد كانت العرب تفخر بجهارة الصوت الجهير وغير ذلك۔

سوال نمبر۴ کا جواب: مذہبی اور سیاسی جلسوں میں لاؤڈ اسپیکر کا بے جا استعمال:

مذہبی اور سیاسی جلسوں میں نیز مشاعروں میں حکومت کی طرف سے ایک قانونی ضابطہ مقرر ہوتا ہے کہ دس یا ساڑھے دس بجے تک ہی پروگرام ہوسکتا ہے، اس کے بعد پروگرام جاری رکھنے کی قانوناً اجازت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حکومت کی طرف سے آواز کے بارے میں بھی تحدید ہوتی ہے اور اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ کس درجہ کا ساؤنڈ لگا سکتے ہیں اور کتنے ساؤنڈ بکس رکھے جا سکتے ہیں۔ اور ان

سب کا مقصد لوگوں کی صحت اور ماحولیات کا تحفظ ہے۔لہذا حکومت کے بنائے ہوئے ان ضابطوں پر اوران ہدایات پرعوم الناس کو عمل کرنا ضروری ہے۔جو لوگ ان ہدایات پرعمل نہیں کرتے،آواز کا شور پوری آبادی تک پہنچاتے ہیں اور رات بھر پروگرام چلاتے ہیں وہ حکومت کی نظر میں مجرم ہیں،حکومت کو پورا اختیار ہے کہ وہ ان قانون کے ساتھ کھلواڑ کرنے والوں پر تأدیبی کارروائی کرے اور ان پر تعزیری سزا جاری کرے۔یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ کسی بھی چیز کا بے محل استعمال یقیناً کسی نہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا موجب ہوتا ہے،مذہبی اور سیاسی جلسوں میں لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال ظلم کی تعریف میں داخل ہے اور چونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے اس لئے شرعی اعتبار سے گناہ کبیرہ بھی ہے۔

دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱)۔ مشہور محدث حضرت عمر بن شبہ نے ایک واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک واعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے۔(ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا نہیں تھا) ان کی آواز بہت بلند تھی،اور اس سے حضرت عائشہؓ کی یکسوئی میں فرق آتا تھا،یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا،اس لئے حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ کہتے رہتے ہیں،جس سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے اور مجھے کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی۔حضرت عمرؓ نے ان صاحب کو پیغام بھیجا اور ان کو وہاں وعظ کہنے سے منع کیا۔لیکن کچھ عرصے کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ شروع کر دیا۔حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود جا کر ان صاحب کو پکڑا اوران پر تعزیری سزا جاری کی۔(اخبار المدینہ لعمر بن شبہ ج:۱ص:۱۵،بحوالہ ذکر وفکر از مولانا تقی عثمانی ص ۲۷)۔

(۲)۔ حضرت عائشہ صرف اپنی تکلیف کا ازالہ ہی نہیں کرنا چاہتی تھیں،بلکہ دراصل وہ اسلامی معاشرت کے اس اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دین کی دعوت وتبلیغ کا پروقار طریقہ کیا ہے؟

(۳)۔ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ وتبلیغ کے آداب تفصیل کے ساتھ بتائے اوران آداب میں یہ بھی فرمایا کہ:''اپنی آواز کو انہی لوگوں کی حد تک محدود رکھو جو تمہاری مجلس میں بیٹھے ہیں،اورانہیں بھی اسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک ان کے چہرے تمہاری طرف متوجہ ہوں،جب وہ چہرے پھیریں تو تم بھی رک جاؤ۔(مجمع الزوائد ج۱،ص۱۹۱)۔

(۴)۔ مشہور محدث حضرت عطا بن أبی رباحؒ جو بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں،ان کا مقولہ ہے کہ''عالم کو چاہیے کہ اس کی آواز اس کی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے''۔(ادب الاملاء والاستملا للسمعانی ص۵،بحوالہ ذکر وفکر ص ۲۷)۔

(۵)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتﷺ جب تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی سے اٹھتے تھے تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو۔

(۶)۔ تمام فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا جس سے کسی کی نیند خراب ہو،جائز نہیں،فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے،جبکہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گنہگار ہے۔(خلاصۃ الفتاویٰ جلد۱،ص۱۰۳،بحوالہ فکر ونظر صفحہ۲۸)۔

(۷)۔ ماہنامہ البلاغ محرم ۱۴۰۷ھ کی اشاعت میں ایک استفتاء کا جواب یوں شائع ہوا تھا جس میں پوچھا گیا تھا کہ تراویح کے دوران بیرونی لاؤڈ اسپیکر زور سے کھولنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

یہ سوال مختلف علماء کے پاس بھیجا گیا اور سب نے متفقہ جواب یہی دیا کہ ان حالات میں (حالات ووجوہات کو استفتاء میں اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے) تراویح کی تلاوت میں بیرونی لاؤڈ اسپیکر بلا ضرورت زور سے کھولنا شرعا جائز نہیں۔سچائی اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے،اس پر تمام مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں۔

☆☆☆

□ فکر اسلامی

(قسط-۱۶)

مفکر اسلام- ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

سیاسی رہنمائی

۱۹۸۹ کے لوک سبھا الیکشن کے پیش نظر ایک عجیب کشمکش تھی، ایک طرف کانگریس نے مسلم پرسنل لا میں مسلمانوں کی حمایت میں بل پیش کیا اور دوسری طرف بھاگلپور کے قیامت خیز فسادات اور شیلانیاس کے اثرات تھے، ایسی صورت حال میں کانگریس کی حمایت بھی نہیں کی جاسکتی تھی اور اس سے آنکھیں بند کر کے دوسرا راستہ اختیار کرنا بھی مشکل تھا، الیکشن کے نتائج آئے تو جنتا دل اور بھاجپا وغیرہ کے اتحاد سے حکومت بنی، مولانا نے فوراً ایک مضمون قلمبند کیا جو متعدد اخبارات میں شائع ہوا اور اس کو مولانا نے وزیر اعظم VP SING کے پاس بھی بھیجا، کسی طور پر بھی مولانا قوم کو بیچ دھارے میں چھوڑنے یا شش وپنج کی حالت میں چھوڑ دینے کے قائل نہ تھے، ہر آن جو بن پڑتا تھا وہ کرتے تھے، نہ خاموشی تھی نہ یکسر چشم پوشی اور نہ کوئی مفاد، یہی کیفیت کسی کو مسیحا بناتی ہے اور پھر وہ چین سے بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، مذکورہ صورت حال کے شدید احساس نے مولانا سے ''سیاسی تبدیلی ایک صحتمندانہ علامت'' کے نام سے ایک مضمون لکھوایا، جس کے بعض اقتباسات ملاحظہ کریں:-

''کسی سیاسی پارٹی یا قیادت کا بلا ترجیح و استحقاق کے مدت دراز تک منصب قیادت پر فائز رہنا اور ملک کے نظم ونسق پر حاوی اور قابض رہنا بہت سی خرابیوں کا باعث ہوسکتا ہے، ایسی اجارہ داری (MONOPOLY) کی شکل میں اس جمہوری حکومت اور سیاسی وآئینی حکمراں جماعت میں طویل المیعاد خاندانی وموروثی سلطنتوں اور حکمراں خاندانوں میں پیدا ہوئیں، اور جن کی تفصیلات اور مثالیں ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں، یہ فطرت انسانی ہے، جس سے بچنا اور جس پر غالب آنا تقریبا خلاف فطرت اور بعید از قیاس واقعہ ہے۔

اسباب تلاش کرنے اور سبق لینے کی ضرورت: لیکن حکومتوں اور پارٹیوں کی اس تبدیلی سے کہیں زیادہ مضر اور خطرناک بات یہ ہے کہ ان اسباب پر غور نہ کیا جائے جو سابق حکمراں جماعت کے زوال کا باعث ہوئے اور انھوں نے اس تبدیلی کے لئے راہ ہموار کی، اور ان واقعات، تجربات اور لوگوں کے خیالات وتأثرات سے فائدہ نہ اٹھایا جائے جو سابق حکومت اور انتظامیہ کے بارے میں ان کی کوتاہیوں کے عمومی رد عمل (REACTION) کے طور پر پیدا ہوئے'' (کاروان زندگی ۔ج۴،ص۱۵۲۔۱۵۳)

اس مضمون میں بڑی صراحت کے ساتھ اسباب زوال حکومت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ملک کے استحکام کے مشورے دئے گئے ہیں، اس مضمون اور مضمون نگار کی انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ آزاد فکر غیر مرعوبیت اور ایک غیر جانبداری اور مستقبل کے خطرات کے پیش نظر قلم بند کیا گیا تھا۔

مذہبی پیشواؤں کے لئے پیغام:

بھاگل پور کے ہولناک فسادات کے بعد مولانا نے دہلی میں پیام انسانیت کے ایک اجلاس کی تیاری کے لئے جو طویل خط لوگوں

کولکھا اس میں ایک پیراگراف بہت مؤثر ، مذہبی شخصیات کے لئے پیغام اور لائحہ عمل ہونے کے ساتھ خود مولانا کی عملی اور جد جہد سے بھرپور زندگی کا آئینہ دار ہے:

''جب کسی دور میں اخلاقی گراوٹ کا ایسا دور پڑتا ہے تو اس وقت دو طبقے میدان میں آتے ہیں ،ایک مذہبی پیشواؤں اور مذہبی انسانوں کا طبقہ، دوسرا دانشوران کا طبقہ،اس وقت بھی ضرورت ہے کہ مذہبی پیشوا اور مذہبی انسان اور دانشور میدان میں آئیں ،وہی اس وقت معاشرہ کو بچا سکتے ہیں، مجھے ڈر ہوتا ہے کہ آئندہ کا مؤرخ جب اس دور اور معاشرہ کی تاریخ لکھے گا تو یہ لکھ دے گا کہ ان مذہبی پیشواؤں ، ماہرین مذہبیات ،امن ومحبت کا پیغام دینے والوں اور دانشوروں اور مفکروں کی موجودگی میں بلکہ ان کی دیوار کے نیچے اوران کے سایہ میں سب کچھ ہو رہا تھا (اور مجھے معاف کیا جائے) وہ اپنی عبادت گاہوں اور مطالعہ وتصنیف کے گوشوں میں بیٹھے ہوئے عبادت اور مطالعہ کا لطف لے رہے تھے ، یہ بھی ایک تاریخی حقیقت اور تجربہ ہے کہ فساد کی یہ لہر اور قتل و بدامنی کا یہ طوفان پھر ان عبادت گاہوں اور مطالعہ وتصنیف اور سیاست اور صحافت کے ان حصاروں اور قلعوں کو بھی نہیں چھوڑتا جہاں باہر کی گرم وسرد ہوا بھی نہیں پہونچ پاتی ،اس وقت بغیر کسی مبالغہ کے ملک کوہ آتش فشاں کے دہانہ پر کھڑا ہے ،اور زندگی کی کشتی طوفان وسیلاب کی موجوں کے درمیان ڈانوا ڈول ہورہی ہے،اس لئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس ملک کے حالات و حقائق کا حقیقت پسندی، اخلاقی جرأت اور بلند مذہبی وعلمی ذہن وشعور کے ساتھ جائزہ لیں اور جلد کہیں جمع ہوکر اس خطرہ کو دور کرنے کی اور اس ملک کو راہ پر لگانے اور انسانی ضمیر، اخلاقی حس ،اور خوف خدا اور انسانیت کے احترام کو آواز دے کر اور جگا کر اس ملک کو تباہی بلکہ قہر خداوندی سے بچانے کی کوشش کریں (جس کا مذہبی کتابوں اور تاریخ کے صحیفوں کے مطالعہ کی بنا پر) قریب ہی خطرہ نظر آرہا ہے، وقت کا یہ سب سے اہم وضروری کام اور ملک و مذہب کی یہ سب سے بڑی خدمت اب کسی تاخیر کی متحمل نہیں'' (کاروان زندگی ج ۴ ص ۱۹۲-۱۹۳)

علماء کی اصل ذمہ داری

اس وقت ملک کی ضرورت اور حالات کے تقاضوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت مولانا کا یہ اقتباس پڑھئے جو انہوں نے ۱۹۹۰ ء میں بابری مسجد کے سلسلہ میں کی جانے والی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

''لیکن حقائق سے کسی طرح آنکھیں نہیں بند کی جا سکتیں ،جب سر پر طوفان کھڑا ہو،اور ماحول بیگانہ سے بیگانہ تر بلکہ برسر جنگ اور آمادہ فساد ہو،تو پھر کسی علمی وتعمیری کام، تصنیفی وتحقیقی مشغلہ اوریکسوئی وفراغ خاطر کی گنجائش نہیں اور (محلوں اور رہائشی مکانات تو الگ رہے) مساجد، مدارس،اور کتب خانوں اور تصنیفی اداروں کی بھی خیریت نہیں ،جن اصحاب دعوت وعزیمت کی سوانح نگاری میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا،اور صدہا صفحات سیاہ کرکے (ناواقفوں کے لئے) ان کے کارناموں کو روشن کیا،ان کا تقریباً مشترک وصف اور جوہر یہی تھا کہ انھوں نے اپنے اپنے وقت اور عہد کے خطرات اور تحدیات (چیلنجوں) کو محسوس کیا،ان کا مقابلہ کیا اوران کا جواب دیا،اور بار ہا انھوں نے اجتماعیت کو انفرادیت پر اور صف آرائی ومہم جوئی کو عزلت وخلوت پر ترجیح دی،ان کے اخلاص وشان عزیمت سے تو ادنی مناسبت ومشابہت کا دعوی نہیں کیا جا سکتا،لیکن جب بلا طلب اور خواہش وکوشش کے یہ ذمہ داری سر پر آ پڑی اور اس سلسلہ میں بار بار نام لیا گیا،اور امید کی (ہزار مدہم و باریک سہی) ایک کرن نظر آئی تو اس سے فرار اختیار کرنے اور انکار کر دینے کی جرأت نہیں ہوئی''۔(کاروان زندگی ج ۴ ص ۳۶۱-۳۶۲)

(...... **جاری**)

☆☆☆

❑ زبان و ادب

مولوی سید احمد دہلوی

از: رشید حسن خاں / پیشکش: محمد شعیب خاں

اردو کے مشہور لغت فرہنگ آصفیہ کے مولف مولوی سید احمد دہلوی کو میں نے دیکھا تو نہیں، اور دیکھتا بھی کیسے، وہ پیدا ہوئے تھے ۱۸۴۶ء میں یعنی اب سے ایک سو اٹھاون برس پہلے اور ۱۹۱۸ء میں اس دنیا سے چلے گئے؛ لیکن میں ان کو جانتا اچھی طرح ہوں اور وہ اپنی تحریروں میں اپنے کردار مزاج اور انداز کی رنگارنگی کے ساتھ اس طرح نمایاں نظر آتے ہیں جیسے سامنے موجود ہوں۔ فرہنگ آصفیہ کی پہلی جلد کا جو پرانا ایڈیشن ہے ۱۹۰۸ء کا، اس میں ان کی تصویر بھی شامل ہے۔ بھاری بھرکم بدن، سر پر ترکی ٹوپی، گلے میں نقش ونگار سے آراستہ مفلر جس کے دونوں سرے اس طرح ملا کر سامنے رکھے گئے ہیں کہ آرایشی حصہ سامنے آگیا ہے۔ بڑی بڑی آنکھیں چوڑا ماتھا بھرا ہوا چہرا اس پر کوش نما داڑھی، جو حدِ اوسط سے تجاوز نہیں کرسکی، داڑھی کے باوجود چہرے پر خشونت کے آثار نہیں۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ بس وہ نام کے مولوی تھے۔ ان کی تصویر اور سادہ صاف تحریریں ان کے بے ریا شخصیت کو اس طرح سامنے لے آتی ہیں کہ اجنبیت کا احساس کم ہو جاتا ہے اور شناسائی کا احساس بڑھ جاتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ آدمی زبان اور ادب کی نسبت سے مولوی صاحب ہی کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہو۔

غلام یزدانی مرحوم سے دلی والے ناواقف نا ہوں گے، انہوں نے مولوی صاحب سے اپنی ایک ملاقات کا جو حال لکھا ہے اس سے مولوی صاحب کی آخری زمانے کی تصویر بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے ملاحظہ ہو:

مولوی صاحب کا حلیہ اور عادات ڈاکٹر جانسن کی شکل صورت اور خصائل سے ملتے جلتے تھے۔ دونوں کی بصارت کم دونوں کا مٹاپے کی وجہ سے بے ہنگم جسم۔ مولوی سید احمد کی پلکیں بالکل جھڑ گئی تھیں اور پپوٹوں کے کنارے بالکل سرخ رہتے تھے پھر بھی مطالعہ اور تصحیح کے کام میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ میں کسی لفظ کے معنی کی تلاش میں ان کے گھر پہنچا۔ یہ اس زمانے میں ایک پتلی سی گلی میں رہتے تھے، جو شاہ گنج اور شاہ تارا کے درمیان واقع ہے۔ گرمی کا موسم تھا۔ میں نے مکان پر جا کر کنڈی کھٹکھٹائی، مولوی صاحب باہر نکل آئے، ننگ دھڑنگ، صرف ایک میلا جانگیا زیب تن تھا، میں نے اپنا مطلب عرض کیا فرمایا: ذرا ٹھہریے پھر گھر کے اندر گئے اور کرتا پاجامہ پہن کر اور ایک کنجیوں کا گچھا لے کر باہر آگئے اور مجھے ساتھ لے کر گلی شاہ تارا کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ایک لیتھو پریس تھا اور مسودات بھی وہیں رہتے تھے۔ مولوی صاحب ایک ڈسک نما

میز پر بیٹھ گئے، بستے میں سے مسودہ نکالا کچھ ورق گردانے، پھر کلاں نما آئینہ اور اپنی عینک دونوں کی مدد سے میرے پیش کردہ لفظ کے معانی محل استعمال بیان کرنے شروع کیے۔ میں کھڑا سنتا رہا، اور یہ جب تک میری تشفی نہ ہوگئی، سمجھاتے رہے۔ کچھ راہ گیر بھی جمع ہو گئے۔ مولوی صاحب ایک کاٹھ کی کرسی پر بے تکلف بیٹھے ہوئے تھے اور اطمینان اور فراغت کا یہ حال تھا کہ آکسفورڈ اور کیمرج کے پروفیسروں کو اپنے مطالعے کے کمروں میں اتنا ہی سکون حاصل ہوتا ہوگا۔ (مقدمۂ رسوم دہلی، طبع کراچی)

میں نے ابھی جو مولوی صاحب کی شخصیت کو بے ریا کہا تھا، اس کی تصدیق آپ کو بھی ہوگئی ہوگی۔ زبان کے معاملے میں مولوی صاحب کٹر دلی والے تھے۔ دہلی اور لکھنؤ میں جو ادبی اور لسانی چپقلش رہی ہے، اس میں وہ بھی الجھے ہوئے تھے اور اس حد تک کہ ان کا فتوا یہ تھا کہ لکھنو والوں کو بھی دلی والوں کی تقلید کرنا چاہیے۔ کیوں کہ دلی سے باہر کا آدمی وہ لکھنو کا ہی کیوں نہ ہو، اہل زبان ہو ہی نہیں سکتا۔ انہوں نے لکھا ہے: اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ دہلی کے سوا کوئی دوسرا شہر ٹکسالی اور مرکز اردو قرار نہیں پا سکتا۔ اردو لکھ لینا اور ہے اور اس کا صحیح لہجہ ادا کرنا اور (آصفیہ جلد اول ٦٦) اب آپ کہیں گے کہ کوئی دوسرا شخص کہے تو کہے، ایک لغت نویس کو یہ بات یا ایسی بات نہیں کہنا چاہیے۔ میں اس رائے میں آپ سے متفق ہوں، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اس زمانے میں دبستانی اختلاف نے کچھ ایسی ہی جانب داری کی فضا پیدا کر رکھی تھی۔ مولوی صاحب نے کوئی نئی بات تو نہیں لکھی، مرزا داغ اس سے پہلے کہہ چکے تھے کہ: اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ۔ یہ تو خیر ایک طرف دار اور ایک فدائی کا نعرہ بے اختیار تھا، لیکن اس سلسلہ میں دو سطروں کے بعد مولوی صاحب نے ایک بہت اہم بات لکھی ہے کہ: ''نیز یہ بھی لحاظ رہے کہ زبان اردو سے صرف الفاظ اردو مراد نہیں، بلکہ لہجہ بھی، جو اس کی اصالت ہے، اسی میں شمار کیا جاتا ہے۔ بس جس شخص کا لہجہ مع الفاظ روزہ مردہ درست ہوگا، وہی استاد کامل خیال کیا جائے گا، بلکہ اصل باشندے کا اسی پر اطلاق ہوگا یہ نکتہ آج بھی ہماری توجہ کا طلب گار ہے۔

ایک تو مولوی صاحب سچے دلی والے تھے، پھر اردو کا اس وقت تک سب سے بڑا لغت مرتب کر رہے تھے۔ ان دو باتوں نے ان کی تحریر میں عجیب صورت پیدا کر دی ہے۔ لغت نویسی کی حد تک ان کا خیال تھا کہ انہوں نے اتنا بڑا کام شروع کیا ہے تو اب کسی اور کو اس میدان میں قدم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امیر مینائی نے جب امیر اللغات کا ایک جز چھاپا تو انہوں نے واضح لفظوں میں امیر پر چوری کا الزام لگایا اور کہا کہ یہ تو میرے ہی لغت کا چربا اتار لیا ہے۔ فرہنگ آصفیہ کی پہلی جلد کے مقدمے میں بہت ہی سخت اور نامناسب الفاظ میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ میں نے آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کے جو لغات لکھے تھے، انہی کو ان لوگوں نے اڑا لیا ہے مولوی صاحب سے کون یہ پوچھ سکتا تھا کہ ہاتھ اور آنکھ کے نئے لغات یہ لوگ کہاں سے لاتے۔ اصل بات یہ تھی کہ مولوی صاحب امیر مینائی اور صاحب نور اللغات کو اہل زبان سمجھتے ہی نہیں تھے، وہی دہلی و لکھنو کا پرانا جھگڑا۔

مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ مولوی صاحب کی گفتگو کا انداز کیا ہوتا تھا، مگر ان کی تحریر ہم سب کے سامنے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دلی والے ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔

ایچ پیچ کے قائل نہیں تھے اور سب کچھ لکھ دینے کو غیر مناسب نہیں سمجھتے تھے، خاص کر لسانی بحثوں میں۔ ایسے میں اگر کہیں لکھنو کا ذکر آ گیا تو پھر مولوی صاحب سنجیدگی تحریر کی بھی کچھ ایسی پرواہ نہیں کرتے تھے اور نہ یہ دیکھتے تھے، کہ جہاں وہ باتیں لکھ رہے ہیں، وہ کوئی رسالہ نہیں لغت کی کتاب ہے۔ فرہنگ آصفیہ کو دیکھ جائیے، مقدمہ کی کتاب کی بات نہیں، الفاظ کی تشریح کے ذیل میں بھی وہ گنجائشیں نکال لیا کرتے تھے۔ میں مولوی صاحب کے مزاج انداز فکر اور ایسے عالم میں طرز کلام کی وضاحت کے لیے صرف ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔ لفظ ''توتی'' کے ذیل میں مولوی صاحب نے لکھا ہے:

''اس لفظ کی تذکیر و تانیث پر جو لطیفہ حضرت استاد ذوق اور ایک لکھنوی شاعر سے ہوا۔ اسے ناظرین کی تفنن طبع کی غرض سے درج کیا جاتا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ استاد ذوق کے ایک لکھنوی ''دوست'' نے ناسخ کی ایک تازہ غزل سنائی، اسی زمین میں ان کو ذوق نے اپنی غزل سنائی جس میں یہ شعر بھی تھا:

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

اب باقی لطیفہ مختصراً مولوی صاحب کے لفظوں میں سنیے: شعر سنتے ہی چونکے اور فرمایا کہ ہیں! آپ نے طوطی کو مذکر باندھ دیا، حالانکہ کہ اس میں یائے معروف تانیث موجود ہے۔

استاد ذوق نے فرمایا کہ حضرت! محاورے پر کسی کے باپ کی اجارہ نہیں ہے۔ آج آپ میرے ساتھ چوک پر چلیے جب شام کا وقت ہوا، دونوں صاحب جامع مسجد کی سیڑھیوں پر، جہاں گزری لگتی ہے، پہنچے۔۔۔۔ دیکھا۔۔۔۔ ایک شہدے صاحب بھی طوطی کا پنجرہ اٹھائے چلے آتے ہیں۔ استاد ذوق نے اشارہ کیا: ذرا ان سے بھی دریافت کر لیجئے آپ نے بے تکلف پوچھا: بھیا! تمہاری طوطی کیسی بولتی ہے؟ جواب دیا کہ میاں! بولتی تمہاری ہوگی، یاروں کا طوطی تو خوب بولتا ہے۔ آپ نے مولوی صاحب کا اندازہ دیکھ لیا! اس فرضی لطیفے کا بھلا لغت سے کیا تعلق ہوسکتا تھا، مگر دہلی لکھنوی کی بحث میں تعلق نکل آیا۔ سچ کہا گیا ہے کہ عاشقی میں سب کچھ جائز ہے۔

اا ج ہم لوگ فرہنگِ آصفیہ میں بہت عیب نکالتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس میں بہت سے بحث طلب مقامات ہیں لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ آج بھی یہ لغت بعض اعتبارات سے بے مثال ہے۔ اس کی بڑائی اس وقت واضح ہوگی جب اسے کسی نئے لغت کے ساتھ رکھ کر دیکھیے مثلاً ترقی اردو بورڈ کراچی کے ضخیم لغت کی چھ جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں۔ ان جلدوں کے مندرجات کا مقابلہ فرہنگ آصفیہ کے اندراجات سے کیا جائے تو جگہ جگہ اندھیرے اجالے کا فرق نظر آئے گا۔ الفاظ اور محاورات کے ذیل میں مولوی صاحب نے بہت سی ایسی تفصیلات لکھ دی ہیں جو آج اور کہیں مشکل سے ملیں گی۔ خاص کر رسم و رواج اور اصطلاحات کے سلسلے میں۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ مولوی صاحب نے اپنی آنکھوں سے بہت سی رسموں کو دیکھا تھا اور بہت سی چیزوں کو برتا تھا، جن سے آج کا لغت نگار واقف نہیں، وہ نرا نقل نویس ہے، ادھورا نقل نویس۔

مولوی صاحاب فنافی اللغت تھے۔ کیسی کیسی مصیبتیں اس سلسلے میں انہوں نے اٹھالیں۔ کتنے دروازوں پر مالی امداد کے لیے دستک دی۔ ایک بار ۱۹۱۲ء میں گھر میں آگ لگ گئی تو سارا اثاثہ جل گیا، کتابیں بھی جل گئیں۔ لیکن مولوی صاحب نے نہ

ہمت ہاری نہ دل چھوٹا کیا۔کسی ادارے کی مدد سے انہوں نے اس کام کو شروع نہیں کیا تھا۔محض ذاتی دلچسپی نے ان کولغت نویسی کی طرف مائل کیا۔اس ذاتی دلچسپی میں بہت بڑا حصہ اس احساس کا تھا کہ دہلی کی زبان محفوظ ہوجائے اور دہلی کی معاشرتی زندگی کے بہت سے مظاہر ہوجائیں۔انہوں نے معمولی ملازمتیں کیں۔دلی میں بھی رہے۔دلی سے باہر بھی رہے مگر لغت کے کام سے ایک دن کیا ایک لحظہ بھی غافل نہیں رہے۔ایسے دل لگا کر محض اپنے شوق کی تسکین کی خاطر کام کرنے والے اب کہاں ہیں۔

مولوی صاحب دہلی کے آخری بڑے آدمی تھے جنہوں نے بڑے سے بڑے کاموں کو انفرادی انجام دینے کی مشرقی روایت کو برقرار رکھا اور اتنا بڑا لغت مرتب کر گئے۔یہ صحیح ہے کہ ایسے کام اب ایک آدمی انجام نہیں دے سکتا مگر ہمارے یہاں اب تک اجتماعی طور پر اور منصوبہ بندی کے تحت ادبی کام کرنے کی روایت پروان نہیں چڑھ سکی ہے اور لغت یا تاریخ ادب کے سلسلے میں جو پنچایتی کام اب تک ہوئے ہیں، ان کا احوال اس قدر تباہ ہے کہ ان کاموں کے کرنے والوں کو اگر روایتی لیبر کیمپ میں بھیج دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ اس صورت حال کے تحت اب سے سوا سو برس پہلے جو اتنا بڑا کام ایک فرد واحد نے انجام دیا اور جس میں خامیوں کے مقابلے میں خوبیوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں رہی ہے، اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔اگر کسی کو اس میں کچھ شک ہو تو اس لغت کے مقابلے کی اس زمانے کی کوئی ایک ہی مثال لے آویں۔اب تو مالی وسائل کی کمی نہیں۔سائنسی نقطہ نظر بھی عام ہو چکا ہے اور علم زبان نے بھی بہت ترقی کر لی ہے۔مولوی صاحب لسانیات سے واقف نہیں تھے (اور اس زمانے میں کوئی بھی واقف نہیں تھا) دولت مند بھی نہیں تھے، انہوں نے غلطیاں بھی بہت کی ہیں، وہ دہلی ولکھنو کے دبستانی جھگڑے میں بے طرح الجھے ہوئے تھے، اس کے باوجود وصف ایسے بھی تھے ان کے یہاں جن کا اب قحط ہے۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے پوری زندگی اپنی اس کے لیے وقف کر دی تھی اور پوری صلاحیت اور توفیق کے ساتھ بس اسی کے ہو کر رہ گئے تھے اور عمر عزیز کا دوتہائی حصہ اسی ایک کام کی نذر کر دیا۔آج ہے کوئی ایسا فدائی ایسا مخلص اور ایسا ڈوب کر کام کرنے والا۔ اس ایک وصف کے سامنے بہت سی خامیاں بے رنگ ہوکر رہ جایا کرتی ہیں۔دوسرے یہ کہ وہ صحیح معنی میں زبان سے واقف تھے۔اردو میں کتنا ہی بڑا لغت مرتب ہوجائے جو جدید معیار لغت نویسی کے لحاظ سے بھی اعلی درجے کا ہو تب بھی فرہنگ آصفیہ کی اہمیت کم نہیں ہوگی۔ کلاسیکی ادب پر کام کرنے والے خاص کر دہلی کی زبان پر کام کرنے والے ہمیشہ اس سے استفادہ پر مجبور رہیں گے۔اس بنا پر کہ جو مختلف معاشرتی اور تہذیبی تفصیلات اس میں محفوظ ہیں، وہ کہیں اور نہیں ملیں گی اور زبان دہلی کے لحاظ سے روز مرہ محاورہ کے جو بہت سے نکات اس میں مندرج ہیں وہ نئے لغت میں ان کو نہیں ملیں گے۔ہم لوگ جو زبان اور لغت سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے ہیں اور ان موضوعات میں سر کھپاتے رہتے ہیں، ہمیشہ مولوی صاحب کو یاد رکھیں گے اور ان کے خلوص کو اور ڈوب کر کام کرنے کے انداز کو مثال میں پیش کرتے رہیں گے۔ (بشکریہ اخبار اردو، جنوری ۲۰۱۲)

☆☆☆

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

نام کتاب: مولانا عبدالباری ندوی شخصیت و دینی اور علمی خدمات

مرتب: مولانا محمد وثیق ندوی

صفحات: ۱۹۲

ناشر: مولانا عبدالباری ندوی ایجوکیشنل سوسائٹی، لکھنؤ

ملنے کے پتے: لکھنؤ کے مشہور دینی کتابوں کے مراکز ومکتبات

مولانا عبدالباری ندویؒ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ان فرزندوں میں ہیں جن پر ندوۃ العلماء کا فخر بجا ہے، ان کا شمار علامہ شبلیؒ کے مایہ ناز شاگردوں، ندوہ کے قابل ذکر فرزندوں قدیم وجدید کے جامع اور بے نظیر نمائندوں بلند پایہ مصنفوں میں ہوتا ہے، خدا تعالیٰ نے قدیم وجدید، روحانیت وعلمیت کی جو جامعیت ان کو عطا کی وہ اس دنیائے رنگارنگ میں کم ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

زیر نظر کتاب نے ایک بہت بڑے خلا کو پر کرنے کا کام کیا ہے، ضرورت تھی کہ مولانا کی شخصیت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا جائے، ان کی شخصیت کے مثالی پہلو کو نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے، انہوں نے جس طرح علامہ شبلیؒ کے خوابوں کی عملی تعبیر دی اور ندوہ کے دارالعلوم کی نمائندگی کی، اس کو آئیڈیل بنا کر پیش کیا جائے، اس کتاب سے بڑی حد تک یہ ضرورت پوری ہوتی نظر آتی ہے، اس سے پہلے بھی بعض کتابیں ان کے تذکرے کے طور پر لکھی گئی ہیں، لیکن راقم کو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بھی یہ ضرورت ہے کہ مولانا کی تمام کتابوں کا الگ الگ معروضی اور تجزیاتی مطالعہ کیا جائے، ان کی خدمات کو وسیع پیمانے پر متعارف کرایا جائے، ان کی شخصیت کی جامعیت کو ان طلبۂ مدارس کے سامنے خاص طور پر پیش کیا جائے جو مدرسہ سے فراغت کے بعد جامعات کا رخ کرتے ہیں، اور ان کے سامنے بھی پیش کیا جائے جن میں کوئی ولولہ نہیں، جن کے سامنے کام کا کوئی میدان نہیں۔

پیش نظر کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے، دوسرا اور تیسرا باب درحقیقت اس یک روزہ سیمینار کے مقالات پر مشتمل ہے جو ۲۲ نومبر ۲۰۱۵ء کو ندوے میں ان کے صاحبزادگان کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا، جبکہ ۴۳ صفحات پر مشتمل پہلا باب مولانا کے حالات زندگی اور ان کی علمی و دینی خدمات سے متعلق ہے، جس کو مرتب کتاب مولانا محمد وثیق ندوی نے بڑی خوش اسلوبی، اختصار اور جامعیت کے ساتھ مرتب کیا ہے، بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس باب میں گویا دریا کو کوزے میں سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے، ان کی عبقری شخصیت اور بے نظیر تجدیدی خدمات جلیلہ کی جھلکیاں دکھا کر براہ راست شوق مطالعہ کو مہمیز کیا ہے، اس باب میں انہوں نے بلا شبہ متعدد کتابوں، مقالات ومضامین اور متنوع تاثراتی تحریروں کا نچوڑ پیش کیا ہے۔

دوسرا باب ''شخصیت وانفرادیت'' کے عنوان سے قائم ہے، اس میں آٹھ مقالے شامل ہیں، ہر مقالہ الگ موضوع پر ہے اور بھرپور ہے، ہر مقالہ مولانا کی شخصیت کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ڈالتا ہے، اس باب میں سرفہرست مقالہ مولانا سید واضح رشید حسنی صاحب کا ہے جس کو اس باب کا سب سے گرانقدر اور خاص مقالہ قرار دیا جا سکتا ہے، ایک دوسرا مقالہ مولانا علاء الدین ندوی کا بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

تیسرے باب میں سات مقالے ہیں جو ''تصانیف وافکار'' کے تحت شامل کتاب ہیں، ظاہر ہے کہ یہ پندرہ مقالے صرف اور صرف مولانا کی شخصیت، تصانیف اور نظریات کے ابتدائی نقوش، تاثرات اور ہلکی پھلکی جھلکیاں پیش کرنے کے لیے کافی ہیں، ورنہ تو حق یہ ہے کہ مولانا کی ایک ایک تصنیف کے لیے کم از کم سیمینار کا ایک ایک سیشن خاص ہونا چاہیے اور بالخصوص ان کے تجدیدی نظریہ کو موضوع بحث بنایا جانا چاہیے اور اسے نئے سرے سے پیش کیا جانا چاہیے۔

پھر بھی قارئین کو اس کتاب کی طباعت پر مرتب و طابع اور اس کتاب میں شامل اصحاب مقالات کا انتہائی شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس دور میں جبکہ کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رفتہ رفتہ دم توڑ رہا ہے، ایسی مختصر، جامع اور گراں قدر کتاب پیش کر دی گئی، جس سے رفتار کو حوصلہ ملتا ہے، شوق طلب کو مہمیز لگتی ہے، فکر ونظر کی نئی راہیں وا ہوتی ہیں، کیوں

کہ کتاب کے مشتملات کا تعلق بیسویں صدی کی اس عظیم المرتبت شخصیت سے ہے جس نے عملاً فلسفہ اور سائنس کو مسلمان بنا کر دکھایا، بقول مولانا محمد منظور نعمانی ''......اور انہوں نے سائنس دانوں اور فلسفیوں کو سجدۂ سہو کرا کر ہی دم لیا''، جس نے گراں قدر تصنیفات کا قیمتی ورثہ چھوڑا، ایک نظریہ، ایک راہ عمل، ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑا، اس کا حق ہے کہ اس پر کام کیا جائے، یونیورسٹیز میں تحقیقی مقالے لکھے جائیں، ان کے کاموں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے، اور ان کی خدمات ونظریات کو عام کیا جائے، اہل علم کو اس کتاب کا شاندار استقبال کرنا چاہیے اور اس کتاب کے پیغام کو آگے بڑھانا چاہیے۔

☆☆☆

نام کتاب: قرآن مجید عظیم الشان ولاثانی کتاب

مولف: پروفیسر سید مسعود احمد

صفحات: ۵۶

قیمت: (برائے مفت تقسیم)

ملنے کا پتہ: یونیورسل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ

پروفیسر مسعود احمد فیکلٹی آف لائف سائنسز کے ڈین رہے ہیں، ان کا میدان اختصاص بایو کیمسٹری ہے، انہوں نے ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے قرآن مجید کو پڑھا، اس کو سمجھنے کی کوشش کی، اس کی گہرائیوں میں اترنے اور گہر وصدف تلاش کرنے کی تگ ودو کی، ان کا مطالعہ قرآن ہمیشہ جاری وساری رہتا ہے، بلکہ وہ قرآن کی پسند کو اپنی پسند اور اس کی ناپسندیدگی کو اپنی ناپسندیدگی بنانے کے داعی ہیں اور اسی کے قائل ہیں، مجھے یہ کہنے دیجئے کہ ان کا مطالعہ قرآن محض نکتہ رسی اور نکتہ سنجی کے لیے نہیں، بلکہ وہ قرآن کے ذریعہ ہدایت کو درجہ بدرجہ حاصل کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں، ان کے قول وعمل سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اب تو یہی ان کا موضوع اور یہی ان کے لیے سب کچھ ہے، پہلے بھی ان کے قلم سے قرآنیات پر مضامین نکلتے رہے ہیں، اب یہ تازہ رسالہ بھی قرآن کے تعارف میں منظر عام پر آیا ہے۔

اس میں کسی صاحب ایمان کو شک نہیں کہ قرآن عظیم دنیائے انسانیت کے لئے سب سے بڑا معجزہ ہے، مگر جن کے قلوب میں مرض ہے ان کے لیے اس کتابچہ میں قرآن مجید کی آفاقیت، انقلابیت، لاثانیت، فطرت سے اس کی مطابقت کو اس حیثیت سے مدلل ومنطقی انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اگر ایمان کی کوئی چنگاری نہاں خانۂ دل میں کہیں دبی ہے، تو وہ شعلہ بن جائے، آتش شوق بھڑک اٹھے، پھر دلوں کے لیے شفا قرار دی گئی اس کتاب سے دل کے مرض کا علاج کرنے کا اشتیاق ہو اور زندگی اس کے سایہ میں بسر کرنے کی دھن سوار ہو جائے۔

صاحب کتاب نے اسمیں مختلف حیثیوں سے تقابلی انداز اپناتے ہوئے قرآن مجید کی یکتائیت وانفرادیت کو ثابت کیا ہے، اس کی بے مثال ترتیب، بے نظیر اندازِ تربیت، پرکشش اسلوبِ دعوت، حیات انسانی کے تصور کامل، نجات کے حقیقی تصور پر روشنی ڈالی ہے۔

قرآن نے اپنی لاثانیت کا خود ہی دعویٰ کیا ہے، مسعود صاحب نے مختلف پہلوؤں سے اس دعوے کو عملی، تقابلی ورمعروضی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، اس دعوی کی شرح انہوں نے قرآن کی مختلف ومنفرد جہتوں کو واضح کرتے ہوئے کیا ہے، اور اس طرح کیا ہے کہ قاری اس کتابچہ کو یکسوئی سے پڑھنے کے بعد مطالعہ قرآن پر آمادہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، راقم اس کامیاب کوشش پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہے، اور اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ کتابچہ مختلف زبانوں میں چھپ کر ہر فرد بشر تک پہنچنا چاہیے تاکہ قرآن کا تعارف اور قرآن کا پیغام نہ پہنچنے اور نہ پہنچانے کے الزام سے ہم بھی بری ہوسکیں۔

☆☆☆

نام کتاب: الماس (شعری مجموعہ)

شاعر: رہبر تابانی

صفحات: ۱۷۶

جناب رہبر تابانی کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں، جس کے سبب ان کی استادانہ حیثیت کو تسلیم کیا جا چکا ہے، ان کی غزلوں کا فن سر چڑھ کر بولتا ہے، غزلوں میں مستعمل لفظیات اپنی سادگی کے باوجود بلا کا حسن رکھتی ہیں، اب رباعیات کا یہ مجموعہ پیش کرکے انہوں نے اپنی مہارت اور شاعرانہ پختگی کا منہ بولتا ثبوت پیش کر دیا ہے، دہلی کے شاعر اقبال شہر نے غزلوں کی بابت کہا ہے ''جب ڈھل گئی عمر تو غزل پہ جوانی آئی''، لیکن رباعی کے متعلق اس سے بڑی بات ردولی کے مشہور اور پختہ

گو بلکہ استادِ سخن جناب رئیس الشاکری کہتے ہیں ''اک عمر ہے درکار رباعی کے لیے'' اس سے رباعی کہنے کے لیے درکار مہارت، پختگی، فنی صلاحیت کے ساتھ فکر وشعور کی حساسیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

رباعی کا چلن عربی میں بھی رہا ہے لیکن رباعی کو اگر خالص ایرانی صنفِ سخن قرار دیا جائے تو درست ہے، ایران سے رباعی اردو میں منتقل ہوئی، ہر بڑے شاعر نے اپنے بڑے ہونے کا ثبوت دینے کے لئے اس صنف میں طبع آزمائی کی، کچھ نے تو اپنی پہچان ہی رباعی کو بنایا، کچھ نے اس میں نام پیدا کیا، بعض لوگ کچھ ہی رباعیات کہہ سکے اور اکثریت رباعیات کی راہ میں ٹھوکریں کھاتی رہی اور ''چار مصرعے'' کہہ کر کام چلاتی رہی، بقول شمس الرحمٰن فاروقی ''رباعی کی صنف میں کچھ ایسی کشش ہے کہ ہر شاعر کا دل اس کی طرف کھنچتا ہے اور یہ صنف کچھ ایسی مشکل ہے یا اس پر مہارت حاصل کرنے کے لئے کچھ ایسی خوش نصیبی درکار ہے کہ اکثر شاعر اس کے چار مصرعوں کی راہ میں راہ کھوٹی کر بیٹھتے ہیں''۔

شمس الرحمٰن فاروقی کی اس جرأت مندانہ حقیقت بیانی کو اگر سامنے رکھا جائے تو رہبر تابانی کی شاعرانہ صلاحیت اور رباعیات کہنے میں ان کی فنی مہارت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں، رباعی وہ ہے جس کا ہر مصرع بولے مگر ہر مصرع کے بعد دوسرے اور تیسرے اور پھر چوتھے کی کشش بڑھتی جائے، اور پھر چار مصرعوں میں بات مکمل ہوجائے، رباعی کو یہی چیز قطعہ سے ممتاز کرتی ہے کہ قطعہ میں بات کہنے کے لیے چار مصرعوں سے زیادہ کہنے کی گنجائش ہوتی ہے، بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رہبر تابانی کی رباعیاں اور بولتی ہوئی اور مکمل ہیں۔

رہبر تابانی کی رباعیات میں فنی جہتوں کی بھرپور پاسداری ہے، ۲۸۸ رباعیات پر مشتمل پر یہ مجموعہ شاعر کے فکری اور ذہنی افق کا گواہ ہے، اس کی ہر رباعی بولتی ہوئی اور جھنجھوڑتی ہوئی ہے، رباعیات کا یہ مجموعہ اس ناحیہ سے ممتاز ہے کہ جب محاورات کا استعمال تقریباً ناپید ہو گیا ہو بلکہ بہت سے لوگ محاورات سے واقف ہی نہ رہ گئے ہوں، نئی نسلیں محاورات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں، ایسے دور میں ان رباعیات میں محاورات کا کثرت سے استعمال شاعر کی زبان پر قدرت کے ساتھ زبان کے تئیں فکر مندی اور حساسیت کی عملات ہے،،

محاورات کسی بھی زبان کی جان ہوا کرتے ہیں، محاورات کے استعمال سے زبان کے استعمال پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، جناب رہبر کا یہ مجموعہ رباعیات اس حیثیت سے زبان کو بھی زندہ کرتا ہے، ان کے اسلوب میں پختگی وشگفتگی بھی ہے اور الفاظ کے استعمال میں بلا کی برجستگی بھی، جس کے سبب ان کی رباعیاں زبان وادب کی رعنائیوں سے بھرپور ہیں۔ چند رباعیات دیکھیے:

بے حس کو میں احساس دلاؤں کیسے
آئینہ ایک اندھے کو دکھاؤں کیسے
سوتے کو جگانا تو بہت آسان ہے
پر جاگنے والے کو جگاؤں کیسے

....

دیوار عزائم میں نہ رخنے پڑ جائیں
رہبر نہ کہیں جان کے لالے پڑ جائیں
بیدرد سے باز پرس کا خبط بجا
پر ایسا نہ ہو لینے کے دینے پڑ جائیں

....

ہنگامے حریفوں میں ہوئے ہیں کیا کیا
وہ فن نہیں قد ناپ رہے ہیں کیا
سن کر ترے اعزاز کی خبریں رہبر
سینوں پر سانپ لوٹتے ہیں کیا کیا

رہبر تابانی کی رباعیات میں معاشرے کے نشیب وفراز کا ذکر ہے، وہ محسوسات کے شعر بناتے ہیں، ان کی شاعری میں ٹوٹے دلوں اور کمزوروں کی خوبصورت ترجمانی ہے، مکر وفریب اور تلخ تجربات کا مؤثر بیان ہے، ان کی رباعیات بڑے قیمتی تجربات اور مشاہدات کی امین ہیں، زمانے کی پرکاری کو کیا خوبصورت قالب دیا ہے۔

معیار میں تبدیلیاں آئیں نہ کبھی
کردار میں تبدیلیاں آئیں نہ کبھی
سر حسب ضراورت بہت بدلے مگر
دستار میں تبدیلیاں آئیں نہ کبھی

....

سینوں میں نہاں کیا ہے تمہیں کیا معلوم
چوروں کی زبان کیا ہے تمہیں کیا معلوم
تم تو ہو تماشائیوں مین اے رہبر
پوشیدہ کہاں کیا ہے تمہیں کیا معلوم

....

رہبر صاحب نے واقعی بڑی حقیقت بیانی اور صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنی شخصیت کے منظر و پس منظر کو صرف ایک رباعی میں پیش کر دیا ہے۔

خوشبو کی طرح صحن چمن سے نکلا
یعنی صفت روح بدن سے نکلا
کہتے ہیں جسے شعرو ادب کا درویش
رہبر وہ مرے حجرۂ فن سے نکلا

آج کی سچائیوں اور ہنرمندیوں کا اس سے بہتر اور کیا تذکرہ ہوسکتا ہے۔

انسان حقیقت کو چھپا دیتا ہے
خود کو یہ فریب برملا دیتا ہے
چہرے کی سیاہی کو نہیں کرتا دور
آئینے پر الزام لگا دیتا ہے

....

ارباب خرد فریب کیا دیتے ہیں
خود اپنی حماقت کا پتہ دیتے ہیں
ہوتا ہے جہاں شکستگی کا احساس
الفاظ کے پیوند لگا دیتے ہیں

....

ان کی یہ خوبصورت رباعیاں پیش کیے بغیر رہا نہیں جاتا۔

لب اردو دشمن نے بھی جب کھولے
ترشے ہوئے الفاظ زباں پر ڈولے
تسلیم کریں یا نہ کریں آپ مگر
جادو ہے وہی سر پہ جو چڑھ کر بولے

....

رعنائی شب حسن سحر جل جائے
نیرنگیٔ خورشید و قمر جل جائے
کیا جانیے کیا چیز ہے یہ آتش دل
دیکھے جو نظر بھر کے نظر جل جائے

مولانا عبدالماجد دریابادی کی مختلف الجہات شخصیت کو ذہن میں رکھیے اور شاعر کی یہ معنی خیز رباعی دیکھیے جوان کے سنہ وفات کو نظم کرنے کے لئے لکھی گئی:

ہر مکتبۂ فکر کو تافہم و قیاس
کی جس نے عطا دولت حسن احساس
افسوس تہہ کاک ہے آرام پذیر
وہ محرم لیلائے سخن نکتہ شناس

رہبر تابانی کی رباعیات اگر فنی اعتبار سے مکمل ہیں تو فکری و معنوی اعتبار سے بھی وہ اپنا رنگ و آہنگ رکھتی ہیں، زمانے کی سچائیوں اور روز مرہ کے مشاہدات کو جس طرح انہوں نے رباعی کے خوبصورت قالب میں پیش کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے، یہاں دو خوبصورت رباعیاں اور پڑھیے، پھر تلاش کیجئے ان کا مجموعہ اور خود اپنے شوق مطالعہ کی تسکین کا سامان کیجئے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے مطالعہ سے احساس کی دولت بھی ملے گی، فن کی رعنائیوں اور باریکیوں کا نظارہ بھی ہوگا اور زبان کے استعمال کا سلیقہ بھی آئے گا، سادہ الفاظ کو موتی میں پروکر خوبصورت ہار بنانے کا ہنر بھی ملے گا، دیکھیے یہ سچائیاں۔

فکروں میں کھپائے جا رہا ہے خود کو
سوچوں میں گھلائے جا رہا ہے خود کو
بھوکا ہے تہی شکم ہے کیا کرتا غریب
دانستہ کھائے جا رہا ہے خود کو

....

پیدا ہو کوئی اس میں کشش ناممکن
بے حس کے لہو میں ہو تپش ناممکن
پتھر کا پگھل جانا تو ممکن ہے مگر
ظالم کی بدل جائے روش ناممکن

☆☆☆

آخری صفحہ

ورنہ دنیا آپ کو اٹھا کر باہر پھینک دے گی

(م۔ق۔ن)

حضرت احمد شاہ ابدالیؒ جو اپنے زمانے کے مشہور ترین بزرگوں میں سے تھے، اور آج بھی ان کا نام قطب وابدال کی فہرست میں سرفہرست ہے۔ ان کے مریدوں اور مسترشدوں نے ان کے ملفوظات ومواعظ کو اور ان کے حکیمانہ اقوال کو نقل کیا ہے جو انتہائی بلیغ معنی خیز ہیں اور دور رس نگاہ کے حامل ہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے حاضرین اور مسترشدین کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ (لوگ) تا قیامت دشمنوں کے نرغے میں ہیں، لہٰذا تقویٰ، اتحاد، خدمتِ خلق اور علوم وفنون میں نئی نئی تحقیقات وایجادات کے ذریعہ خود کو بیش قیمت بنائے رکھئے، ورنہ زمین کا بوجھ بنتے ہی دنیا آپ کو اٹھا کر باہر پھینک دے گی''۔

یہ حقیقت ہے کہ جو انسان کسی بھی اعتبار سے ملک وملت اور سماج ومعاشرہ کے لیے مفید اور نفع بخش ہوتا ہے اس کا وجود روئے زمین کے لئے وجہ مسرت اور باعث تسکین اور ذریعہ فرحت ہوتا ہے لوگ ایسے شخص کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ بار الٰہا اس کے وجود کو باقی رکھ اور اس کا سایہ تادیر قائم رکھ ایسے افراد موت کے بعد دنیا میں ہزاروں سال زندہ اور تابندہ رہتے ہیں اور ان کے نیک تذکرے کبھی ختم نہیں ہوتے اور ایسے لوگوں کے بارے میں شاعر یوں اظہار خیال کرتا ہے:ـ

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس

اور جو لوگ نافعیت سے خالی ہوتے ہیں اور جن کی زندگی لازم ہوتی ہے متعدی نہیں ہوتی وہ لوگ جو صرف اپنے لئے جینا جانتے ہیں ان کا وجود زمین کے لئے بوجھ ہوتا ہے بلکہ ان کی موت ان کی زندگی سے بہتر ہے تاکہ ان کی بے نفع اور بے سود زندگی سے دنیا پاک رہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (سورہ رعد) میں اس شخص کی بقاو تحفظ کا وعدہ فرمایا ہے جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو اور جو سمندری جھاگ کی طرح بے وزن اور غیر مفید ہوتا ہے، معاشرہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں رہتی، وہ کوڑا کرکٹ کی طرح بہہ جاتا ہے، جس کی طرف کوئی توجہ دینے والا بھی نہیں ہوتا۔

ایک موقع پر صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ بہترین انسان کون ہے؟ تو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ بہترین انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہو، جو زیادہ روزے رکھنے والا ہو، جس نے متعدد حج کئے ہوں، بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

گویا انسانی خدمت کو آپؐ نے ترجیحی حیثیت دی۔ کیوں کہ اس کا نفع دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ ہم اپنے وجود کو روئے زمین پر نفع بخش بنائیں اور اپنے قوتِ بازو میں پنہاں راز سعادت کو پالیں ورنہ ہم زمین کا بوجھ بن جائیں گے اور دنیا ہمیں اور آپ کو اٹھا کر باہر پھینک دی گے۔

☆☆☆

R.N.I. No. UPURD/2009/32310
Postal Regd. No. ALG/104/2016-2018

ISSN 2456-7175
Vol. IX - Issue I [July-2017]

NIDA-E-AETIDAL MONTHLY

Madrasatul Uloom-al-Islamia, Jamalpur, Aligarh (U.P.)

Under the management of:

Allama Abul Hasan Ali Nadwi Educational & Welfare Foundation, Aligarh

Visit us: www.nadwifoundation.org

Printed & Published by Saeed Ahmad Nadwi behalf of the office of Allama Abul Hasan Ali Nadvi Education & Welfare Foundation Hamdard Nagar'D', Jamalpur, Aligarh at *Ideal Graphics Enterprises, Patwari Nagla, Aligarh*

Editor: Dr. Mohd. Tariq Ayubi Nadwi